ایف اے
داخلہ جاری

اقتدار احمد ویلفیئر ٹرسٹ کے زیرِاہتمام

ایف اے اور بی اے کی معیاری تعلیم کا جدید ادارہ

(رجسٹرڈ)

طوبیٰ گرلز کالج لاہور

- اسلامی تعلیمات اور نظریہ پاکستان کے فروغ پر خصوصی توجہ
- باپردہ اور پاکیزہ ماحول
- خوبصورت اور کشادہ عمارت
- ماڈرن کمپیوٹر لیب اور کمپیوٹر کی لازمی تعلیم بلا اضافی فیس
- طالبات کے لئے ٹرانسپوٹ (Pick & Drop) کی سہولت
- بیرون لاہور کی طالبات کے لیے ہوسٹل کی محدود سہولت

مزید معلومات کے لئے پراسپیکٹس حاصل کریں

طوبیٰ گرلز کالج 78 سیکٹر اے ون ٹاؤن شپ لاہور

فون 5114581 E-mail: toobacollege@ hotmail.com

DESIGN UNIT

12-7-2003

وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا

(البقرہ: ۲۶۹)

ماہنامہ

حکمتِ قرآن

لاہور

بیادگار: ڈاکٹر محمد رفیع الدین ایم اے پی ایچ ڈی ڈی لٹ مرحوم

مدیرِ اعزازی: ڈاکٹر ابصار احمد ایم اے ایم فل پی ایچ ڈی

معاون: حافظ عاکف سعید ایم اے (فلسفہ)

ادارہ تحریر: حافظ خالد محمود خضر، پروفیسر حافظ نذیر احمد ہاشمی

جلد ۲۲ | جمادی الاولیٰ ۱۴۲۴ھ - جولائی ۲۰۰۳ء | شمارہ ۷

— یکے از مطبوعات —

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

۳۶۔ کے۔ ماڈل ٹاؤن۔ لاہور ۱۴۔ فون: ۵۸۶۹۵۰۱

کراچی آفس: اوادہ منزل متصل شاہ بخاری شاہراہ لیاقت کراچی فون: ۲۱۶۵۸۶

سالانہ زرِ تعاون: 100 روپے ، فی شمارہ: 10 روپے

☆ ایشیا، یورپ، افریقہ وغیرہ 700 روپے ☆ امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ 900 روپے

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم

حرفِ اوّل

سند اور ڈگری کی تازہ کشمکش

سند اور ڈگری کی باہمی کشمکش کو پاک و ہند کے تناظر میں' عرف عام میں علی گڑھ اور دیوبند کی آویزش کہا جاتا ہے' لیکن پاکستان میں گزشتہ ہفتے پشاور سے سند اور ڈگری کی تازہ کشمکش کی جو خبر آئی ہے' یہ اربابِ اقتدار کی سوچی سمجھی سیاسی چال اور ذہنی پراگندگی کی سازش معلوم ہوتی ہے۔

خبر یوں ہے کہ پشاور ہائی کورٹ کے الیکشن ٹریبونل نے مسلم لیگ (قاف) گروپ کے مرکزی سینئر نائب صدر اور سابق وفاقی وزیر افتخار حسین گیلانی کی انتخابی عذرداری کو منظور کرتے ہوئے کوہاٹ سے قومی اسمبلی کے حلقہ این اے ۱۴ سے ''متحدہ مجلس عمل'' کے رکن مفتی ابرار سلطان کے انتخاب کو کالعدم قرار دے دیا ہے۔ گیلانی صاحب نے موقف اختیار کیا تھا کہ ان کے مدمقابل مفتی ابرار سلطان قومی اسمبلی کی رکنیت کے لئے مطلوبہ تعلیمی قابلیت کی شرط پر پورا نہیں اترتے اور انہوں نے اپنے کاغذات نامزدگی میں دینی تعلیم کی جو اسناد پیش کی ہیں' وہ گریجویشن کی ڈگری کے برابر نہیں ہے۔ دوسری طرف مفتی صاحب کے وکیل نے کہا کہ اسناد بالکل ٹھیک ہیں۔ یونیورسٹی گرانٹس کمیشن نے ان اسناد کو ایم اے کی ڈگری کے مساوی قرار دے رکھا ہے اور یہ پی ایچ ڈی کے حصول تک میں کارآمد ہیں۔ مفتی صاحب کی یہ اسناد کاغذاتِ نامزدگی داخل کرتے وقت جانچ پڑتال کے عمل سے گزری تھیں اور ان کے جائز ہونے کی صورت ہی میں مفتی صاحب کو الیکشن کمیشن نے انتخاب لڑنے کی اجازت دی تھی۔

الیکشن میں کامیابی اور فریق مخالف افتخار حسین گیلانی کو شکست دینے کے آٹھ ماہ کے بعد ان کی سند کو گریجویشن کی ڈگری سے کمتر قرار دینا ایک ایسا فیصلہ ہے جو قوم کو شک و شبہ میں مبتلا کر سکتا ہے۔ اس فیصلے سے سیاسی فضا جو پہلے ہی مکدّر چلی آ رہی تھی' مزید خراب اور تشویش ناک ہو سکتی ہے۔ گیلانی صاحب کی انتخابی عذرداری تو انفرادی نوعیت کی تھی' جبکہ اسی نوعیت کا ایک مقدمہ سپریم کورٹ میں زیر سماعت ہے اور ''متحدہ مجلس عمل'' کے ۲۸ منتخب ارکان قومی اسمبلی اور سینٹ کے سات ارکان کو قومی اسمبلی اور سینٹ کے ذریعے سپریم کورٹ کے سامنے حاضر ہونے کے نوٹس جاری کئے جا چکے ہیں۔ مفتی ابرار سلطان صاحب نے اپنی نااہلی کے فیصلے کو سپریم کورٹ میں چیلنج کر دیا ہے اور تازہ ترین خبروں کے مطابق چیف جسٹس نے ابتدائی سماعت کے بعد اس فیصلے کو معطل کر دیا ہے۔ اس مقدمہ کی باقاعدہ سماعت ستمبر کے دوسرے ہفتے میں شروع ہو گی اور اس کیس کو بھی متحدہ مجلس عمل کے دیگر ارکان کی اسناد کو چیلنج کرنے والے کیس کے ساتھ منسلک کیا جائے گا۔

حکومت کو یہ بات بہرحال پیش نظر رکھنی چاہئے کہ ''متحدہ مجلس عمل'' ایک سیاسی حقیقت اور دینی علوم کی ''سند'' سرکاری طور پر منظور شدہ قانونی حقیقت ہے' جسے محض امریکہ کی خوشنودی کے لئے سیاسی انتقام کا نشانہ بنانا دانش مندی نہیں۔ oo

درس ۲۶

اُمّتِ مُسلمہ سے خطاب کے ضمن میں قرآنِ حکیم کی جامع ترین سورت

اُمُّ المُسَبِّحات : سورۃ الحدید

(۴)

نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم ..... امّا بعد:

اعوذ باللّٰہ من الشّیطٰن الرّجیم ۔ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

﴿سَبَّحَ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ۚ وَہُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ۞ لَہٗ مُلۡکُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ۚ یُحۡیٖ وَیُمِیۡتُ ۚ وَہُوَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ۞ ہُوَ الۡاَوَّلُ وَالۡاٰخِرُ وَالظَّاہِرُ وَالۡبَاطِنُ ۚ وَہُوَ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ ۞ ہُوَ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ فِیۡ سِتَّۃِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسۡتَوٰی عَلَی الۡعَرۡشِ ؕ یَعۡلَمُ مَا یَلِجُ فِی الۡاَرۡضِ وَمَا یَخۡرُجُ مِنۡہَا وَمَا یَنۡزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا یَعۡرُجُ فِیۡہَا ؕ وَہُوَ مَعَکُمۡ اَیۡنَ مَا کُنۡتُمۡ ؕ وَاللّٰہُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِیۡرٌ ۞ لَہٗ مُلۡکُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ وَاِلَی اللّٰہِ تُرۡجَعُ الۡاُمُوۡرُ ۞ یُوۡلِجُ الَّیۡلَ فِی النَّہَارِ وَیُوۡلِجُ النَّہَارَ فِی الَّیۡلِ ؕ وَہُوَ عَلِیۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ۞﴾ .....صدق اللّٰہ العظیم

''تسبیح بیان کرتی ہے اللہ کی ہر وہ شے جو آسمانوں میں اور زمین میں ہے اور وہی ہے زبردست کمال حکمت والا۔ اسی کے لئے بادشاہی ہے آسمانوں اور زمین کی' وہی زندہ کرتا ہے' وہی مارتا ہے اور وہ ہر شے پر قادر ہے۔ وہی اوّل ہے' وہی آخر ہے' وہی ظاہر ہے' وہی باطن ہے اور وہ ہر شے کا علم رکھتا ہے۔ وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا' پھر وہ عرش پر جلوہ فرما ہوا۔ اس

کے علم میں ہے جو کچھ زمین میں جاتا ہے اور جو کچھ اس سے نکلتا ہے اور جو کچھ آسمان سے اترتا ہے اور جو کچھ اس میں چڑھتا ہے۔ وہ تمہارے ساتھ ہے جہاں بھی تم ہو۔ اور جو کام تم کرتے ہو اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔ اسی کے لئے بادشاہی ہے آسمانوں اور زمین کی' اور تمام معاملات اللہ ہی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں۔ وہ داخل کرتا ہے رات کو دن میں اور داخل کرتا ہے دن کو رات میں' اور وہ سینوں کے پوشیدہ راز تک جانتا ہے۔''

حدیثِ نبویؐ سے راہنمائی

گزشتہ نشست میں ہم تیسری آیت پر گفتگو کر رہے تھے۔ ﴿هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ﴾ کے بارے میں ہمیں حدیثِ نبویؐ سے بھی راہنمائی ملتی ہے۔ یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ ؓ سے مروی ہے اور صحیح مسلم اور مسند احمد بن حنبل میں آئی ہے۔ نیز قاضی ابویعلیٰ نے اسے اپنی ''مسند'' میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ یہ اصل میں حضور ﷺ کی ایک دعا ہے:

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الْاَوَّلُ فَلَيْسَ قَبْلَكَ شَيْءٌ
وَاَنْتَ الْاٰخِرُ فَلَيْسَ بَعْدَكَ شَيْءٌ
وَاَنْتَ الظَّاهِرُ فَلَيْسَ فَوْقَكَ شَيْءٌ
وَاَنْتَ الْبَاطِنُ فَلَيْسَ دُوْنَكَ شَيْءٌ

''اے اللہ! تو ہی وہ اوّل ہے جس سے پہلے کچھ نہیں۔ اور تو ہی وہ آخر ہے جس کے بعد کچھ نہیں ہوگا۔ تو ہی ظاہر ہے' تجھ سے بڑھ کر نمایاں کوئی نہیں اور اے اللہ! تو ہی باطن ہے کہ تجھ سے زیادہ مخفی کوئی نہیں!''

آپ حدیث کے ان الفاظ پر غور کریں گے تو معلوم ہوگا کہ حضور ﷺ کی اس حدیث نے اس نہایت ثقیل' نہایت دقیق اور نہایت مشکل مضمون کو بہت سہل اور آسان بنا دیا۔ چنانچہ اس حدیث کے حوالے سے انسان بآسانی یہاں سے گزر جائے گا۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ غور کرنے والے کے لئے اس میں اشکالات موجود ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جو الفاظ ہمارے پاس ہیں ان کا اپنا ایک connotation اور مفہوم ہوتا ہے

اور یہ الفاظ چونکہ ہماری زبان کے ہیں' لہٰذا ان کا وجود ہمارے اپنے تصورات کے مطابق ہوتا ہے۔ جب ہم کسی شے کو کہتے ہیں کہ یہ پہلی چیز ہے' اس سے پہلے کچھ نہیں' تو اس کے بارے میں خواہ مخواہ ایک تصور پیدا ہو جاتا ہے کہ اس شے کا گویا اپنا کوئی نقطہ آغاز ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ پہلا مکان ہے' اس سے پہلے کچھ نہیں ہے' مگر اس سے پہلے خلا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں ہم یہ تصور قائم نہیں کر سکتے کہ اس کے وجود کا کوئی نقطہ آغاز بھی ہے۔ اس سے پہلے کوئی عدم نہیں تھا۔ لیکن اس کی تعبیر کے لئے ہم الفاظ کہاں سے لائیں؟ کسی ایسی ہستی کی تعبیر کے لئے جو ہمیشہ سے ہو' ہمارے پاس کوئی لفظ ہے ہی نہیں۔ اصطلاح میں ہم لفظ ''قدیم'' اختیار کرتے ہیں' لیکن قدیم کے عام معنیٰ پرانی شے کے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ فلاں شہر بڑا قدیم شہر ہے' فلاں تہذیب بڑی قدیم تہذیب ہے' لیکن اس کے یہ معنیٰ تو نہیں ہو سکتے کہ وہ ہمیشہ سے ہے۔ یہ مفہوم تو ہمیں اضافی طور پر اصطلاح میں داخل کرنا پڑا' یہ ہماری مجبوری ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہماری زبان میں وہ الفاظ ہی موجود نہیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ذاتِ مطلق کی صحیح تعبیر کر سکیں۔

آپ حدیث کے الفاظ پر غور کیجئے۔ فرمایا: ''وَاَنْتَ الْآخِرُ فَلَیْسَ بَعْدَکَ شَیْءٌ'' یہاں حضور ﷺ نے لفظ ''بَعْدَکَ'' ارشاد فرمایا ہے' لیکن کیا اللہ کے بعد کا کوئی تصور ہے؟ ظاہر بات ہے کہ اللہ کے بعد کا کوئی تصور نہیں۔ اللہ تو ہمیشہ سے ہے' نہ کوئی لمحہ کبھی ایسا تھا کہ جب اللہ نہیں تھا اور پھر اس کے وجود کا کوئی آغاز ہوا ہو' اور نہ کوئی لمحہ کبھی ایسا آ سکتا ہے جب کہ اللہ کا وجود نہیں ہو گا' لیکن اس حقیقت کی تعبیر کے لئے سادہ الفاظ وہی ہوں گے جو حضور ﷺ نے اختیار فرمائے:

اَنْتَ الْاَوَّلُ فَلَیْسَ قَبْلَکَ شَیْءٌ

وَاَنْتَ الْآخِرُ فَلَیْسَ بَعْدَکَ شَیْءٌ

پھر یہ کہ ان الفاظ کے اندر از خود ایک احتیاج موجود ہے' اوّل و آخر کے الفاظ کوئی اضافی نسبت طلب کرتے ہیں کہ کس کا اوّل؟ کس کا آخر؟ یہ الفاظ اس خطبے میں بھی آئے ہیں

جوحضور ﷺ نے شعبان کے آخری دن رمضان المبارک کے استقبال کے ضمن میں اس کی عظمت کو بیان کرنے کے لئے دیا تھا۔اس خطبے میں آپ ﷺ نے ''اوّل و آخر'' کو رمضان المبارک کے مہینے کے ساتھ نسبت دی: ((اَوَّلُـهٗ رَحْـمَةٌ وَاَوْسَـطُـهٗ مَغْفِرَةٌ وَآخِـرُهٗ عِتْقٌ مِّنَ النَّارِ)) یعنی اس مہینے کا اوّل اللہ تعالیٰ کی رحمت کا مظہر ہے' درمیانی حصہ اللہ کی مغفرت کا مظہر ہے اور اس کا آخری حصہ جہنم سے گلوخلاصی ہے۔

اسی طرح آپ دیکھیں گے کہ اسی سورۂ مبارکہ میں آگے آ رہا ہے: ﴿فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ﴾ کہ جنت اور دوزخ کے مابین ایک فصیل حائل کر دی جائے گی جس کا ایک دروازہ ہوگا۔﴿بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ﴾ اس دروازے کے اندر رحمت ہوگی اور باہر عذاب۔تو باطن کے لئے بھی نسبت درکار ہے کہ کس شے کا باطن' اور ظاہر کے لئے بھی نسبت درکار ہے کہ کس شے کا ظاہر! ﴿هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ﴾ میں اس شے کا ذکر نہیں کیا گیا' لیکن اگر اس پر غور کیا جائے تو وہ ایک ہی شے ہو سکتی ہے کہ کل سلسلۂ کون و مکاں' یہ کل تخلیق کا سلسلہ! اس سلسلہ کا اوّل بھی اللہ ہے' اس کا آخر بھی اللہ ہے' اس کا ظاہر بھی اللہ ہے اور اس کا باطن بھی اللہ ہے' لیکن چونکہ قرآن مجید فلسفیانہ انداز اختیار کرنا نہیں چاہتا' لہٰذا وہ الفاظ اختیار کئے گئے جن کو ایک عام آدمی' ایک بدو بھی پڑھ کر گزر جائے اور اسے کوئی اشکال نہ ہو۔اور اگر اسے زیادہ ہی دقت ہو تو اس حدیث نبویؐ کے حوالے سے اس کی مشکل حل ہو جائے گی اور وہ بڑی سہولت کے ساتھ یہاں سے گزر جائے گا:

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الْاَوَّلُ فَلَيْسَ قَبْلَكَ شَيْءٌ
وَاَنْتَ الْآخِرُ فَلَيْسَ بَعْدَكَ شَيْءٌ
وَاَنْتَ الظَّاهِرُ فَلَيْسَ فَوْقَكَ شَيْءٌ
وَاَنْتَ الْبَاطِنُ فَلَيْسَ دُوْنَكَ شَيْءٌ

لیکن حقیقت میں کائنات کے اس پورے سلسلۂ تخلیق کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی ذات کا ربط یہ ہے کہ وہ اس کا غیر نہیں ہے۔

معیتِ الٰہی کا مفہوم

ذاتِ باری تعالیٰ کے بارے میں ہمارے عوام کا ایک عام تصور یہ ہے کہ وہ کسی ایک خاص جگہ پر موجود ہے اور اس کا وجود کائنات میں ہر جگہ نہیں ہے۔ اسی سورۂ مبارکہ کی اگلی آیت میں جو الفاظ آ رہے ہیں: ﴿وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ﴾ ''اور وہ تمہارے ساتھ ہی ہوتا ہے جہاں کہیں تم ہو'' کے بارے میں بالعموم یہ تصور ہے کہ وہ صرف اپنی صفات کے اعتبار سے ہمارے ساتھ ہے' ہمیں دیکھ رہا ہے' ہماری باتیں سن رہا ہے۔ یہ تو اس کی تاویل ہو گئی' جبکہ الفاظ تو یہ ہیں: ﴿وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ﴾ ''اور وہ خود تمہارے ساتھ ہے جہاں کہیں بھی تم ہو''۔ تو یہ تاویل درحقیقت ان الفاظ کا حق ادا نہیں کر رہی۔ وہ ہمارے ساتھ کیسے ہے؟ یہ ہم نہیں جانتے' لیکن وہ ہمارے ساتھ ہر جگہ' ہر آن موجود ہے۔ اس کے لئے انگریزی میں جو Attributes of God آئے ہیں وہ بہت جامع ہیں۔ وہ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ہے' Omnipotent ہے۔ وہ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ہے' Omniscient ہے۔ جہاں کہیں بھی تم ہو وہ تمہارے ساتھ ہوتا ہے' Omnipresent ہے۔

﴿وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ﴾ یہ الفاظ بالکل واضح ہیں' ان میں کسی تاویل کی گنجائش نہیں ہے۔ جیسے اللہ کا ہاتھ (يَدُ اللّٰهِ) ایک حقیقت ہے۔ ہم مانتے ہیں کہ اللہ کا ہاتھ ہے' وہ ایسا ہاتھ نہیں ہے جیسے ہمارا' لیکن کوئی حقیقت تو ہے جس کو ''يَدُ اللّٰهِ'' سے تعبیر کیا گیا۔ اس کی کیفیت کو ہم نہیں جانتے' یہ ہماری وہ مجبوری ہے جو اللہ کی ہر صفت کے بارے میں ہے۔ جیسا کہ میں گزشتہ نشست میں بیان کر چکا ہوں' اللہ دیکھتا ہے' لیکن کیسے دیکھتا ہے؟ یہ ہم نہیں جانتے! ہمیں کیا پتہ کہ کیسے دیکھتا ہے! اس کی اس طرح کی آنکھیں تو نہیں ہیں جیسی ہماری۔ اس کا دیکھنا اس خارجی نور کا محتاج تو نہیں ہے جس کے ہم محتاج ہیں۔ ہماری بصارت اگرچہ موجود ہو' آنکھ بھی درست ہو' لیکن اگر روشنی نہ ہو تو ہم نہیں دیکھ سکتے۔ ہمارے اور اس کے مابین لفظ ''دیکھنا'' مشترک ہے' کہ ہم بھی

دیکھتے ہیں، وہ بھی دیکھتا ہے، لیکن اس کی نوعیت میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ گویا ع چہ نسبت خاک را با عالم پاک! ہمارے اور اس کے دیکھنے کی نوعیت میں کوئی آس پاس کا قرب ہے ہی نہیں۔ فارسی کے یہ اشعار ذرا ملاحظہ کیجئے ؎

اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم
وز ہر چہ گفتہ ایم و شنیدیم و خواندہ ایم
دفتر تمام گشت و بپایاں رسید عمر
ما ہم چناں در اوّلِ وصفِ تو ماندہ ایم!

''اے وہ ذات تبارک و تعالیٰ جو ہمارے خیال، قیاس، گمان اور وہم ہر شے سے ماوراء ہے! جو کچھ ہم نے کہا، جو کچھ ہم نے سنا اور جو کچھ ہم نے پڑھا، ان سب سے تیری ذات بہت بلند اور اعلیٰ و ارفع ہے۔ (ہمارے پاس وہ نطق اور وہ الفاظ ہی نہیں ہیں جن سے ہم تیرے کسی وصف کو بیان کر سکیں۔) دفتر کے دفتر ختم ہو گئے اور اب ہماری عمر کا سفینہ بھی آخری سرحد کو پہنچا ہوا ہے، اس کے باوجود ہم ابھی تیری پہلی صفت ہی کے بارے میں متحیر اور پریشان ہیں (اور ہمیں اس کے بارے میں کوئی تصور اور ادراک نہیں ہو سکا)''۔

متکلمین کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی صفت اوّلین وجود ہے۔ اللہ تعالیٰ کی چھ سب سے اہم اور بنیادی صفات وجود، حیات، علم، ارادہ، قدرت اور کلام ہیں، بقیہ تمام صفات ان ہی صفات کی شرح ہیں۔ بعض لوگ ان میں سماعت اور بصارت کو بھی شامل کرتے ہیں، لیکن سماعت اور بصارت درحقیقت صفت علم ہی کی شرح ہیں۔ تو ان صفات میں سب سے پہلی صفت ''وجود'' ہے، جس کے بارے میں کہا گیا ''ما ہم چناں در اوّل وصفِ تو ماندہ ایم!'' یعنی ہم تو تیرے پہلے وصف کے بارے میں ہی متحیر ہیں، پریشان ہیں اور اس پر غور کرتے ہوئے ہماری عقل ہمارا ساتھ چھوڑ جاتی ہے ؎

جبکہ تجھ بن نہیں کوئی موجود
پھر یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہے؟

وجودِ باری تعالیٰ کے بارے میں جو تشبیہات پیش کی گئی ہیں وہ میں آپ کے

سامنے عرض کر چکا ہوں۔ آپ چاہیں تو توحید وجودی اور وحدت الوجود کو دماغ کا خلل قرار دیں' لیکن اسے کفر اور شرک نہ کہیں' اس لئے کہ نظریہ ''وحدت الوجود'' ہمہ اوست اور Pantheism کے مترادف نہیں ہے۔

علمِ الٰہی کی وسعت و جامعیت

آیت کے آخر میں الفاظ آئے: ﴿ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۞ ﴾ ''اور وہ ہر شے کا جاننے والا ہے''۔ جب ہر شے کا اوّل و آخر' ظاہر و باطن وہی ہے تو کائنات کے اندر وہ کہیں دُور نہیں ہے' بلکہ تم جہاں کہیں بھی ہو وہ تمہارے ساتھ ہے۔ جیسے سورۂ قٓ میں فرمایا: ﴿نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ۞ ﴾ ''ہم تو انسان سے اس کی رگِ جان سے بھی قریب تر ہیں''۔ یہاں جو فرمایا گیا: ﴿وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ ﴾ ''جہاں کہیں بھی تم ہوتے ہو وہ تمہارے ساتھ ہے'' ہم اس کی کُنہہ کو نہیں پہنچ سکتے' اس کی کیفیت کو نہیں جان سکتے' لیکن ہمارا ایمان ہے کہ اللہ ہر جگہ' ہر آن موجود ہے' ہم جہاں کہیں بھی ہوں وہ ہمارے ساتھ ہے' وہ ہماری رگِ جاں سے بھی زیادہ قریب ہے۔ اور جب وہ اتنا قریب ہے تو معلوم ہوا کہ ہر چیز کا گویا وہ خود ہی چشم دید گواہ ہے۔ فرشتے نامۂ اعمال کی صورت میں جو رپورٹیں تیار کر رہے ہیں اللہ ان کا محتاج نہیں ہے۔ وہ تو ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔ فرشتوں کی رپورٹیں تو اس لئے تیار ہو رہی ہیں کہ

Justice should not only be done, it should also appear to have been done.

نامۂ اعمال کی یہ فائلیں اس لئے تیار ہو رہی ہیں کہ اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے فیصلے کو چیلنج کرے تو اس سے کہا جائے کہ:

﴿اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ؕ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ۞﴾ (بنی اسراءیل:۱۴)

''اپنی کتاب پڑھ لے! تو آج اپنا آپ ہی محاسب کافی ہے۔''

یہ سب اتمامِ حجت کے لئے ہے' ورنہ اللہ تعالیٰ بذاتِ خود سمیع' بصیر ہے' جہاں کہیں بھی تم ہوتے ہو وہ تمہارے ساتھ موجود ہوتا ہے' اس حوالے سے وہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔

میں نے عرض کیا تھا کہ علم اور قدرت اللہ تعالیٰ کی دو بڑی بنیادی صفات ہیں' جن کے بارے میں قرآن حکیم میں بار بار آتا ہے: وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ' وَھُوَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ۔ لفظ کُل جو ہے یہ درحقیقت ہماری پناہ گاہ ہے۔ ہم اس کی قدرت اور اس کے علم کا کوئی اندازہ نہ تو کمیت کے اعتبار سے (quantitatively) کر سکتے ہیں اور نہ کیفیت کے اعتبار سے (qualitatively)۔ ہم نہ تو یہ جان سکتے ہیں کہ اسے کتنی قدرت حاصل ہے اور نہ ہی ہم اسے پہچان سکتے ہیں کہ اس کی قدرت کیسے exercise ہوتی ہے۔ اس کا علم کتنا ہے اور اسے کیسے حاصل ہوتا ہے' یہ ہم نہیں جان سکتے۔ ان تمام چیزوں سے ہٹ کر ہم صرف یہ جانتے ہیں کہ وہ ہر شے کا علم رکھتا ہے اور وہ ہر شے پر قادر ہے۔ چنانچہ ان آیات میں بھی آپ دیکھیں گے کہ صفت علم کو کتنی مرتبہ دہرا کر لایا گیا ہے۔

تخلیق کائنات — چھ دن میں

آگے فرمایا: ﴿ھُوَالَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ﴾ ''وہی ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں''۔ یہ بات میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ آسمان اور زمین قرآن کی مستقل تعبیر ہے کل سلسلۂ کون و مکان کے لئے۔ قرآن حکیم کون و مکان جیسی فلسفیانہ اصطلاحات استعمال نہیں کرتا' آسمان اور زمین کے مفہوم کو عام آدمی بھی سمجھتا ہے' لیکن اس سے مراد ہے کل سلسلۂ وجود' کل سلسلۂ مخلوقات' کل سلسلۂ کائنات۔ یہ سب اللہ تعالیٰ نے چھ دنوں میں تخلیق فرمایا۔

آسمان و زمین کی چھ دنوں میں تخلیق کا مضمون قرآن مجید میں سات مرتبہ آیا ہے' جس طرح قصۂ آدم و ابلیس بھی قرآن مجید میں سات مرتبہ دہرایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین چھ دنوں میں پیدا کئے۔ یہاں دن سے مراد کیا ہے؟ اس میں تو کوئی شک ہی نہیں کہ اس سے ہمارا دن مراد نہیں ہے۔ ہماری زمین کی اپنے محور پر ایک گردش جو ہوتی ہے اس سے ہمارا چوبیس گھنٹے کا ایک رات دن وجود میں آتا ہے۔ اسی طرح ہر سیارے (planet) کا دن دوسرے سے مختلف ہے۔ اب ہماری پوری کہکشاں

(Galaxy) کا دن کیا ہوگا؟ کائنات کی ہر شے گھوم رہی ہے' جیسا کہ قرآن مجید میں آیا ہے: ﴿كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ﴾ یہ بہت بڑی astronomical حقیقت ہے جو قرآن میں بیان ہوئی ہے۔ اگر انسان واقعتاً ادراک کرے تو حیرت ہوتی ہے کہ قرآن حکیم میں چودہ سو برس قبل یہ الفاظ آئے ہیں۔ اُس وقت صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس کا کیا مفہوم سمجھا ہوگا' ہم اس کا کچھ اندازہ نہیں کر سکتے۔ یہ حقیقت انسان پر بتمام وکمال آج منکشف ہوئی ہے کہ ع سکوں محال ہے قدرت کے کارخانے میں! کائنات کی کوئی شے ٹھہری ہوئی نہیں۔ ذرّہ (atom) کو دیکھیں تو اس میں بھی electrons مسلسل حرکت میں ہیں اور اسی طرح آپ اپنے نظامِ شمسی کو دیکھیں تو ہر سیارہ گردش میں نظر آتا ہے' جیسے زمین کو کہا گیا ع

''یہ زمیں ' یہ فضا کی رقاصہ!''

زمین گویا رقص کر رہی ہے' خود اپنے محور کے گرد بھی چکر کھا رہی ہے اور سورج کے گرد بھی طواف کر رہی ہے۔ پھر یہ سورج جو اپنے پورے خاندان کو لے کر کسی بہت بڑے star کے گرد چکر لگا رہا ہے' یہ تیسری حرکت ہے۔ پھر ہماری پوری Galaxy حرکت میں ہے۔ چنانچہ ہر شے حرکت میں ہے۔ اس حقیقت کو قرآن نے ان الفاظ میں بیان کر دیا: ﴿كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ﴾۔ جیسے اللہ تعالیٰ کی صفات کے بارے میں ایک ہی لفظ ''کُل'' ہماری پناہ گاہ ہے اسی طرح یہاں بھی وہی لفظ ''کُل'' استعمال کیا گیا ہے۔ تو اب اس پوری کائنات کا دن کیا ہوگا؟ قرآن مجید میں کچھ اور دنوں کا بھی تصور ہے' لیکن لازم نہیں ہے کہ وہ مقدار یہاں مراد سمجھی جائے۔ البتہ ایک اللہ تعالیٰ کی تدبیر کا دن ہے۔ وہ ہماری اس دنیا کے معاملات کی تدبیر فرماتا ہے۔ جیسے ہمارے ہاں پانچ سالہ یا دس سالہ منصوبہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں سے ایک دن کے لئے (جو ہمارے حساب سے ہزار برس ہوتے ہیں) تدبیر کا معاملہ طے ہو جاتا ہے' جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ

اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ﴾(السجدۃ:۵)

''وہ اپنے امر کی تدبیر کرتا ہے آسمان سے زمین کی طرف' پھر وہ امر اس کی طرف واپس لوٹتا ہے ایک ایسے دن میں جس کی مقدار تمہارے شمار سے ایک ہزار سال ہے''۔

ایک ہزار برس کی اس مقدار کی غلط تعبیر کرتے ہوئے اکبر کے زمانے میں ابوالفضل اور فیضی جیسے بڑے جغادری علماء نے' جو اقبال کے الفاظ میں لغت ہائے حجازی کے قارون تھے' اکبر کے ایماء پر یہ شوشہ چھوڑا کہ شریعت محمدی کو آئے ہوئے ایک ہزار برس پورے ہو گئے ہیں' لہٰذا اب دینِ محمدیؐ کا دور ختم ہوا اور دین الٰہی کا دور شروع ہو رہا ہے۔

قرآن مجید میں پچاس ہزار سال کے برابر ایک دن کا ذکر بھی موجود ہے اور اس کے بارے میں گمان غالب ہے کہ وہ قیامت کا دن ہے۔ فرمایا: ﴿تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ﴾(المعارج:٤) ''ملائکہ اور روح (جبرئیلؑ) اس کے حضور چڑھ کر جاتے ہیں ایک ایسے دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے''۔ جہاں تک زمین و آسمان کی چھ دنوں میں تخلیق کا معاملہ ہے تو یہ ضروری نہیں ہے کہ تخلیق کے ایک دن کو ہم ایک ہزار برس کا قرار دیں اور نہ یہ ضروری ہے کہ اسے پچاس ہزار برس کا قرار دیں۔ تخلیق کے ان چھ دنوں کی مقدار ہمیں معلوم نہیں ہے' یہ دراصل چھ ادوار ہیں جن کے لئے ہم eras یا millenniums کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔

خالق بھی وہی' حاکم بھی وہی

آگے فرمایا: ﴿ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ﴾ ''پھر وہ عرش پر جلوہ افروز ہوا''۔ ایسا ہرگز نہیں کہ تخلیق فرما کر وہ کہیں علیحدہ بیٹھ گیا ہو' بلکہ وہ تختِ حکومت پر متمکن ہوا۔ بعض صوفیاء کا تصور بھی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تو اپنی ذات میں مگن ہے' اسے اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے کہ کائنات میں کیا ہو رہا ہے' وہ اس سے مستغنی ہے۔ چنانچہ مشائین (جو ارسطو کی منطق کے پیروکار ہیں) یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عالمِ کلیات ہے' عالم جزئیات

نہیں ہے۔ یہی گمراہی اس وقت جدید سائنسی تصورات اور مادہ پرستی کے زیر اثر پھیل رہی ہے۔ دَورِ جدید کا سب سے بڑا شرک تو انسانی حاکمیت کا تصور ہے' جبکہ اس کے ساتھ دوسرا بڑا شرک مادیت پرستی ہے۔ اس مادیت پرستی نے انسانی ذہن کو اتنا گرفت میں لے لیا ہے کہ جو خدا کو مانتا ہے وہ بھی اس معنی میں مانتا ہے کہ کائنات کا خالق (creator) تو وہ ہے' لیکن اس کی تخلیق کے بعد اس نے کچھ طبعی قوانین (physical laws) بنا دیئے ہیں جن کے تحت یہ کائنات خود بخود چل رہی ہے۔ چنانچہ ہر لحظہ' ہر آن اللہ کا فیصلہ اور اس کا اِذن ان کے تصور سے ماورا ہے۔ فلسفہ کی اصطلاح میں اسے ''اللہ کی تعطیل'' کہتے ہیں' یعنی اللہ کو معطل کر دینا۔ گویا کائنات کی تخلیق کے بعد اب وہ معطل ہے' اسے اس کائنات کی روز بروز اور لحہ بہ لحہ working سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ اس نے جو قوانین بنا دیئے ان کے تحت کائنات کا نظام از خود چل رہا ہے' جیسے فٹ بال کا کوئی کھلاڑی فٹ بال کو ٹھوکر لگائے تو وہ گیند دوڑتی چلی جاتی ہے جب تک کہ کوئی مزاحمت اسے نہ روکے۔ اس گیند کو آگے بڑھانے میں اب اس کھلاڑی کا کوئی تعلق نہیں ہوتا جس نے اسے کک لگائی تھی۔ جبکہ ایمان اور قرآن ہمیں اللہ تعالیٰ کی یہ معرفت دیتے ہیں کہ وہ تختِ حکومت پر متمکن ہے اور نظام کائنات کو کنٹرول کر رہا ہے' جیسا کہ ابھی ہم نے پڑھا: ﴿يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ﴾ یہاں تک کہ اس کے اِذن کے بغیر پتہ تک جنبش نہیں کر سکتا۔ یہ تصور جب تک نہ ہو تو انسان کو ایمان باللہ اور معرفت ربّ حاصل نہیں ہو سکتی۔ یہ وہ مفہوم ہے جو یہاں دیا گیا ہے: ﴿ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ﴾

اللہ تعالیٰ عالمِ کلیات ہی نہیں عالمِ جزئیات بھی ہے

آیت کے اگلے الفاظ میں ان جہلاء کے نظریات کی نفی ہو رہی ہے جنہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ جزئیات کا عالم نہیں۔ قرآن نے یہ جو حقیقت بیان کی ہے اس سے فلسفہ و سائنس کی بہت سی گمراہیوں کا ازالہ ہو جاتا ہے اور بہت سے عقدے حل ہو جاتے ہیں۔ فرمایا: ﴿يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا﴾ ''وہ جانتا ہے جو کچھ

زمین میں داخل ہوتا ہے اور جو کچھ اس سے نکلتا ہے''۔ زمین میں داخل ہونے والی شے بارش کا وہ قطرہ بھی ہے جو جذب ہو رہا ہے اور وہ بیج بھی ہے جو کسی درخت کا پھل سوکھنے کے بعد اس سے نکلتا ہے اور زمین میں قرار پکڑ لیتا ہے۔ ان دونوں کے نتیجے میں زمین سے جو کونپل پھوٹتی ہے وہ بھی اس کے علم میں ہے۔ اسی طرح زمین میں داخل ہونے والے مردے بھی ہیں جو زمین میں مٹی کے ساتھ مل کر مٹی ہو رہے ہیں' لیکن پھر وہ یہیں سے زندہ کر کے نکالے جائیں گے۔ از روئے الفاظ قرآنی: ﴿مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى ۞﴾ (طٰہٰ: ۵۵) ''اسی زمین سے ہم نے تم کو پیدا کیا ہے' اسی میں ہم تم کو واپس لے جائیں گے اور اسی سے تم کو دوبارہ نکالیں گے''۔ چنانچہ ہر چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی شے جو زمین میں داخل ہو رہی ہے اور جو اس سے نکل رہی ہے یا نکلے گی وہ اس کے علم میں ہے۔

﴿وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا﴾ ''اور جو کچھ آسمان سے اترتا ہے اور جو کچھ اس میں چڑھتا ہے (وہ بھی اس کے علم میں ہے)''۔ آسمان سے نازل ہونے والی بارش بھی ہے اور فرشتے بھی جو آسمان سے اترتے ہیں۔ جیسے فرمایا: ﴿تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ مِّنْ كُلِّ اَمْرٍ﴾ ''اترتے ہیں اس رات میں فرشتے اور روح اپنے ربّ کے اِذن سے ہر حکم لے کر''۔ تو فرشتے اللہ تعالیٰ کے احکام لے کر ان کی تنفیذ کے لئے اترتے ہیں اور یہاں سے رپورٹ لے کر اور ارواحِ انسانیہ کو لے کر اوپر جاتے ہیں۔ پس جو کچھ یہاں ہو رہا ہے ہر شے اللہ کے علم میں ہے۔ گویا کہ احاطہ کر لیا گیا کہ کوئی شے اللہ کے علم سے باہر نہیں ہے۔ دوسرے مقام پر اس کی وضاحت ان الفاظ میں آئی ہے: ﴿وَيَعْلَمُ مَا فِى الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۭ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِىْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِىْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۞﴾ (الانعام: ۵۹) ''بحر و بر میں جو کچھ ہے وہ اس سے واقف ہے۔ کسی درخت سے گرنے والا کوئی پتہ ایسا نہیں جس کا اسے علم نہ ہو۔ زمین کی تاریکیوں میں کوئی دانہ ایسا نہیں جس سے وہ باخبر نہ ہو۔ خشک و تر سب کچھ ایک کھلی

کتاب میں لکھا ہوا ہے''۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ صرف کلیات کا عالم نہیں بلکہ جزئیات کا بھی عالم ہے' زمین و آسمان اور بحر و بر کا چھوٹے سے چھوٹا واقعہ بھی اس کے علم میں ہے۔ یہ بات اگرچہ ہمارے ذہن میں نہیں آ سکتی' لیکن ایمان کا جزِ لازم ہونے کی حیثیت سے اس پر ایمان رکھنا ناگزیر ہے۔

معیتِ الٰہی کی کیفیت؟

آگے فرمایا: ﴿وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ﴾ ''وہ تمہارے ساتھ ہے جہاں کہیں بھی تم ہو''۔ سورۃ الحدید کی ان چھ آیتوں میں پہلی دو' درمیان کی دو اور آخری دو آیتوں پر مشتمل تین جوڑے ہیں اور ان کے اوّل و آخر میں ایک مناسبت ہے۔ درمیانی دو آیات (۳'۴) اہم ترین ہیں۔ تیسری آیت میں وہ الفاظ آئے ہیں: ﴿هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ﴾ اور چوتھی آیت میں یہ الفاظ آئے ہیں: ﴿وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ﴾ ''وہ تمہارے ساتھ ہے تم جہاں کہیں بھی ہو''۔ اس کا تعلق بھی فلسفۂ وجود سے ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے ہم جہاں کہیں بھی ہوں —— لیکن کیسے ہے؟ یہ ہم نہیں جانتے۔ ہم اس کی کیفیت کو نہیں جان سکتے۔ بعض لوگوں نے اپنی ذہنی سطح کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے بارے میں تجسیم کا تصور قائم کیا ہے کہ وہ کسی جہت' کسی مکان' کسی مقام پر محدود ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں ایسا تصور معاذ اللہ' ثم معاذ اللہ' بالکل درست نہیں ہے۔ وہ تو ہر آن' ہر جگہ موجود ہے' البتہ کیسے ہے؟ یہ ہم نہیں جانتے۔ یہ ہمارا ایمان ہے کہ اس کی ذات مطلق ہے' وہ کسی جگہ محدود نہیں ہے۔ جب کسی معاملے میں شدت آ جاتی ہے تو انسان ایک انتہا سے دوسری انتہا تک چلا جاتا ہے۔ اس کی ایک مثال ملاحظہ کیجئے! حدیث قدسی میں الفاظ آتے ہیں کہ رات کے آخری حصے میں اللہ تعالیٰ سمائے دنیا تک نزول فرماتے ہیں اور وہاں سے ندا لگتی ہے کہ:

هَلْ مِنْ مُسْتَغْفِرٍ فَاُغْفِرَ لَهٗ؟

هَلْ مِنْ سَائِلٍ فَاُعْطِيَهٗ؟

''ہے کوئی استغفار کرنے والا کہ میں اسے معاف کروں؟ ہے کوئی مانگنے والا کہ

میں اسے عطا کروں؟''

ہمیں معلوم ہے کہ سات آسمان ہیں' ساتویں آسمان کے اوپر پھر عرش کی کرسی ہے' رات کے آخری حصے میں اللہ تعالیٰ عرش سے سمائے دنیا یعنی پہلے آسمان تک نزول فرماتا ہے۔ اس نزول کی کیفیت ہم نہیں جانتے۔

اب اس کے بارے میں کچھ لوگ اس انتہا پر ہیں کہ وہ اس کی مطلق نفی کر دیتے ہیں کہ اللہ کے نزول کا کیا سوال؟ اللہ کسی خاص جگہ پر محدود تو نہیں ہے کہ وہاں سے نیچے اترے! اور ایک انتہا یہ ہے کہ امام ابن تیمیہؒ منبر پر کھڑے تقریر کر رہے تھے اور ان لوگوں کی نفی کرتے ہوئے ایک ایک سیڑھی کر کے نیچے اترے اور کہا کہ اللہ ایسے اترتا ہے جیسے میں اترا ہوں۔ یہ دوسری انتہا ہے۔ ہم اپنے اترنے پر اللہ کے اترنے کو قیاس کریں تو یہ غلط ہے۔ ہمیں یہ ماننا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نزول فرماتا ہے لیکن ہم اس کی کیفیت معین نہیں کر سکتے۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی تجلیات کسی خاص مقام پر مرکوز ہو سکتی ہیں' اللہ کی ذات کسی مقام پر محدود نہیں ہے۔ اللہ کی تجلیاتِ خصوصی ہیں جو کرسی پر ہیں' جو عرش پر ہیں' جو ساتویں آسمان کے اوپر ہیں' جس کے بارے میں سورۃ النجم میں آیا ہے: ﴿عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ۞ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ۞﴾ (۱۴'۱۵) ''سدرۃ المنتہیٰ کے پاس' اس کے پاس ہی جنت الماویٰ ہے''۔ مکان اور مکانیت کی اپنی جگہ ایک حقیقت ہے' ہم ذاتِ باری تعالیٰ سے ان چیزوں کو بالکل منقطع بھی نہیں کر سکتے' ورنہ تو ہم قرآن مجید کی ہر آیت کی تاویل کرتے چلے جائیں گے' پھر تو ہر چیز استعارہ بن کر رہ جائے گی' لیکن اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے اعتبار سے کسی مقام پر محدود نہیں ہے' وہ اس کی خصوصی تجلی ہے جو کسی مقام پر مرکوز ہے۔ چنانچہ ان ہی انوار کا ذکر بایں الفاظ کیا گیا: ﴿اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ۞﴾ ''جبکہ اس سدرۃ المنتہیٰ کو ڈھانپے ہوئے تھا' جو ڈھانپے ہوئے تھا''۔ ہم تو یہ بھی نہیں سمجھ سکتے کیا ڈھانپتے ہوئے تھا جس کے لئے قرآن مجید نے مبہم الفاظ استعمال کئے ہیں۔ تم کیا سمجھو گے کہ کیا ڈھانپے ہوئے تھا؟ تمہارے سامنے وہ بات بیان نہیں کی جا سکتی۔ اس کا مشاہدہ حضور ﷺ نے اس شان

کے ساتھ کیا کہ ﴿مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی ۞﴾ ''نگاہ نہ چندھیائی نہ حد سے متجاوز ہوئی''۔ ﴿لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰی ۞﴾ ''اس نے اپنے ربّ کی بڑی بڑی نشانیوں کا مشاہدہ کیا''۔ وہ بیری کو ڈھانپنے والی اللہ ربّ العزت کی تجلیاتِ خصوصی تھیں' جو اُس وقت وہاں نزول فرما رہی تھیں اور حضور ﷺ نے ان کا مشاہدہ کیا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی تجلیاتِ خصوصی کا کعبۃ اللہ پر ارتکاز ہے۔ چنانچہ اللہ کی تجلی مختلف مقامات پر ہو سکتی ہے' لیکن جہاں تک ذاتِ باری تعالیٰ کا تعلق ہے اس کے ساتھ اگر کسی جسمانیت' کسی جہت یا کسی مقام کا تصور کیا جائے تو میرے خیال میں یہ اللہ کے شایانِ شان نہیں ہے۔ ہمیں یقین رکھنا چاہئے کہ ﴿وَهُوَ مَعَكُمْ اَیْنَ مَا كُنْتُمْ ﴾ ''اور جہاں کہیں بھی تم ہو وہ تمہارے ساتھ ہے''۔ اگرچہ ہم یہ نہیں سمجھ سکتے کہ وہ کیسے ہمارے ساتھ ہے۔ اس کی کیفیت کو ہم نہیں جانتے' معیت کو ہم جانتے ہیں۔ اللہ ہمارے ساتھ ہے جہاں کہیں بھی ہم ہوتے ہیں۔

اعمالِ انسانی کا چشم دید گواہ

﴿ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ۞ ﴾ ''اور جو کچھ بھی تم کر رہے ہو اللہ اسے دیکھ رہا ہے''۔ جب وہ ہر جگہ' ہر آن تمہارے ساتھ ہے تو جو کچھ تم کر رہے ہو وہ اسے خود دیکھ رہا ہے۔ وہ تمہارے سب اعمال کا چشم دید گواہ ہے۔ آگے چل کر دسویں آیت کے اختتام پر الفاظ آتے ہیں: ﴿ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ۞ ﴾ ''جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے''۔ یہ دونوں جملے اسی ترتیب سے سورۃ التغابن میں بھی آتے ہیں۔ بصارت اور خبر کے متعلق ہمارا عمومی تصور یہ ہے کہ بصارت یقین کا آخری درجہ ہے' جب اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تو گویا یقین کا آخری درجہ حاصل ہو گیا' لیکن قرآن مجید میں جو ترتیب آتی ہے اس میں ''بصیر'' کو ''خبیر'' سے مقدم کیا گیا ہے۔ یعنی پہلے صفت بصارت کا ذکر آتا ہے' بعد میں صفت خبر کا۔ اس لئے کہ خبر اصل شے ہے' کیونکہ آنکھ بھی دھوکہ دے سکتی ہے ع

ہر چہ می بینیم یارب بہ بیداری ست یا بخواب؟

آدمی بعض اوقات شش و پنج میں پڑ جاتا ہے کہ جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں واقعتاً صحیح دیکھ رہا ہوں؟ کچھ illusions بھی ہوتے ہیں۔ چنانچہ اصل خبر وہ ہے جو انسان کے باطن کے اندر پہنچ جائے۔ بہرحال خبر کی طرح بصارت بھی اللہ تعالیٰ کی صفتِ علم کا بہت بڑا مظہر ہے۔

حکومتِ الٰہیہ کے ضمن میں اہلِ ایمان کی ذِمّہ داری

پھر فرمایا: ﴿لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ﴾ ''اسی کے لئے زمین و آسمان کی بادشاہی ہے''۔

میں عرض کر چکا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے ضمن میں جو بھی بڑے بڑے مسائل ہیں' جو بھی فلسفیانہ مشکلات ہیں اور جو بھی مغالطے ہیں وہ سب ان چھ آیات میں حل کئے گئے ہیں۔ ان چھ آیات میں دو مرتبہ یہ الفاظ آئے ہیں: ﴿لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ اس سے اندازہ ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کے تصور کو قرآن مجید کتنا emphasize کرنا چاہتا ہے۔ سارا فساد تو اسی کا ہے کہ انسان خود حاکم بن کر بیٹھ گیا ہے اور اسی کا نام بغاوت ہے۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ آسمانوں اور زمین کی حکومت اللہ کی ہے اور زمین پر اس حکومت کو بالفعل قائم کرنے کی جدوجہد میں اپنا تن من دھن لگا دینا اللہ اور اس کے رسولؐ کے ماننے والوں کا گویا فرضِ منصبی ہے۔ چنانچہ ان چھ آیات کے بعد جب مطالبات آئیں گے تو اہل ایمان سے انفاقِ مال اور بذلِ نفس کا مطالبہ کیا جائے گا:

﴿اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ﴾

''ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر اور خرچ کرو ان چیزوں میں سے جن پر اس نے تم کو خلیفہ بنایا ہے''۔

اللہ کی راہ میں لگا دو' کھپا دو اور خرچ کر دو ان تمام چیزوں میں سے جن پر ہم نے تم کو اختیار دیا ہے' تمہیں استخلاف عطا کیا ہے۔ لیکن یہ انفاق' لگانا' کھپانا' خرچ کرنا' جان کا کھپانا' مال کا خرچ کرنا' اپنی صلاحیتیں' اپنی ذہانت' اپنے اوقات لگا دینا' اپنے آپ کو

ہمہ تن کھپا دینا کس لئے؟ تاکہ اللہ کا حق بحال (restore) کرایا جائے۔ اس کی حکومت کے اندر بغاوت ہوگئی ہے' انسان اپنی حاکمیت کے مدعی بن کر کھڑے ہو گئے ہیں۔ یہ اس زمین کے بادشاہِ حقیقی کے خلاف عالمگیر بغاوت ہے۔ اور اب انسانی حاکمیت (Human Sovereignty) حاکمیت جمہور (Popular Sovereignty) میں تبدیل ہو چکی ہے اور یہ نجاست اب عالمی سطح پر جڑ پکڑ چکی ہے۔ از روئے الفاظ قرآنی: ﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ﴾ یہ فساد بر و بحر کے اندر رونما ہو چکا ہے اور اب یہ نجاست ایک نظریہ کے طور پر تمام انسانوں کے اندر تقسیم کر دی گئی ہے۔ پہلے ایک شخص فرعون یا نمرود کی صورت میں حاکمیت کا دعویٰ کرتا تھا کہ ''اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى'' مگر آج وہ ٹنوں گندگی تو لہ تولہ ماشہ ماشہ عام آدمی کو بھی پہنچا دی گئی ہے۔ یہ ہے اصل گمراہی' اصل بغاوت اور اصل فساد۔ اور جو اللہ کا وفادار ہے اس کا فرضِ عین قرار پاتا ہے کہ اس بغاوت کا قلع قمع کرے اور اللہ کا حق اس کو لوٹائے' تاکہ زمین پر اللہ کی حاکمیت بالفعل قائم ہو جائے۔

فیصلے کا اختیار اللہ کا!

اس سورۂ مبارکہ کی دوسری آیت میں ﴿لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ کے بعد ارشاد ہوا تھا: ﴿يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۞﴾ ''زندگی اور موت اس کے ہاتھ میں ہے اور وہ ہر شے پر قادر ہے''۔ اس لئے کہ حکومت کے ساتھ ایک لازمی تصور قدرت و اختیار کا ہے۔ وہ حکومت ہی کیا جو مجرموں کو سزا نہ دے سکے اور وفاداروں کو بدلہ نہ دے سکے' انہیں کوئی انعامات نہ دے سکے! اگر کسی حکومت کو جزا و سزا کا اختیار نہیں اور وہ معاملات کا فیصلہ کرنے کے قابل نہیں تو وہ حکومت ہی نہیں ہے۔ لہٰذا یہاں اس پہلو کو نمایاں کیا گیا: ﴿وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۞﴾ ''اور تمام معاملات (فیصلے کے لئے) بالآخر اسی کی طرف لوٹا دیئے جائیں گے''۔ اُس کے حضور میں پیش کر دیئے جائیں گے۔ آخری فیصلے وہاں ہوں گے۔ اس روز یہ حقیقت منکشف ہو جائے گی کہ وہ ﴿مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ ''جزا و سزا کے دن کا مالک'' ہے۔ اس روز

آنکھوں پر پڑے پردے ہٹ جائیں گے۔اس روز کہا جائے گا: ﴿فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ ۞﴾(ق:۲۲) ''آج ہم نے تمہاری آنکھوں سے پردہ ہٹا دیا ہے اور آج تمہاری نگاہ خوب تیز ہے''۔ دیکھ لو آج کے دن کس کے لئے بادشاہی ہے؟ تم دنیا میں اپنی بادشاہی کے دعوے دار تھے۔ ﴿لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۚ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ۞﴾ آج کے دن بادشاہی صرف اس اللہ کے لئے ہے جو الواحد اور القہار ہے۔تو یہاں فرمایا گیا: ﴿وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۞﴾ ''اور تمام معاملات فیصلے کے لئے اسی کی طرف لوٹا دیئے جائیں گے''۔ تُرْجَعُ فعل مجہول ہے۔ یہاں تَـرْجِعُ نہیں ہے' یعنی خواہی نخواہی تمام معاملات اس کے حضور پیش کر دیئے جائیں گے' تم چاہو یا نہ چاہو تمام معاملات اللہ کی طرف لوٹا دیئے جائیں گے اور آخری فیصلے کے لئے اسی کی عدالت میں پیشی ہوگی۔

گردشِ لیل ونہار میں انسان کے لئے سامانِ معرفت

﴿يُوْلِجُ الَّيْلَ فِى النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِى الَّيْلِ﴾ ''وہ داخل کرتا ہے رات کو دن میں اور داخل کرتا ہے دن کو رات میں''۔ یہ قرآن مجید کی ایک صنعت لفظی ہے کہ ایک ہی مادے سے بننے والے الفاظ کا استعمال قریب قریب ملتا ہے۔ اسی کی ایک مثال یہاں ہے۔ چنانچہ ابھی ہم نے پڑھا: ﴿يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِى الْاَرْضِ﴾ ''وہ جانتا ہے جو زمین میں داخل ہوتا ہے''۔ وَلَجَ' يَلِجُ ثلاثی مجرد سے ہے۔ اسی مادے سے باب افعال میں اَوْلَجَ' يُوْلِجُ اِيْلَاجًا ہے۔ یعنی کسی شے کو کسی میں داخل کرنا۔ فرمایا: ﴿يُوْلِجُ الَّيْلَ فِى النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِى الَّيْلِ﴾ ''وہ داخل کرتا ہے رات کو دن میں اور داخل کرتا ہے دن کو رات میں''۔ اس کا اصل مفہوم سمجھئے۔ یہ مضمون بھی دراصل دوسری مرتبہ آ گیا ہے۔ پہلے ہم نے پڑھا: ﴿يُحْيٖ وَيُمِيْتُ﴾ ''وہی مارتا ہے اور زندہ کرتا ہے''۔ اگر ہم کہیں ''نَمُوْتُ وَنَحْيَا'' کہ ہم خود زندہ رہتے ہیں' خود مرتے ہیں تو یہ کفر ہے' مجوبیت ہے' غفلت ہے۔ گویا کہ اللہ سے بُعد ہے۔ یہ یقین کہ اللہ زندہ رکھتا ہے' اللہ ہی مارتا ہے' یہی معرفت' ہدایت اور ایمان ہے۔ سائنس کے زیر اثر ہماری

سوچ یہ بن گئی ہے کہ رات اور دن ایک دوسرے کے پیچھے آ رہے ہیں۔ گویا کہ خود بخود آ رہے ہیں۔ چنانچہ ہم سمجھتے ہیں کہ کائنات کا نظام خود بخود چل رہا ہے۔ بنانے والے نے ابتدائے آفرینش میں کچھ قوانین بنا دیئے تھے' جن کے زیر اثر اب یہ نظام خود بخود نظام چل رہا ہے۔ اس تصور کی نفی کرتے ہوئے فرمایا گیا: ﴿يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ﴾ ''وہ داخل کرتا ہے رات کو دن میں'' ﴿وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ﴾ ''اور وہ داخل کرتا ہے دن کو رات میں'' اس نے زمین' سورج اور چاند کی گردش کا پورا نظام قائم کیا جس کے نتیجے میں دن رات ایک دوسرے کے پیچھے آتے ہیں۔

فرض کیجئے اگر سورج ایک جگہ کھڑا رہتا تو ہر چیز روشن ہوتی' لیکن شاید انسان کو یہ معلوم نہ ہو سکتا کہ روشنی سورج سے آ رہی ہے۔ اس لئے کہ ہر چہار طرف روشنی سے یہ مغالطہ ہو سکتا تھا کہ ہر شے از خود روشن ہے۔ یہ تو سورج حرکت کرتا ہے اور سایہ اس کے ساتھ گھٹتا بڑھتا ہے تو ہمیں معلوم ہو رہا ہے کہ روشنی اصل میں سورج کی ہے۔ جب سورج غروب ہو جاتا ہے اور روشنی ختم ہو جاتی ہے تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ روشنی دراصل سورج کی روشنی ہے۔ یہی معاملہ ان چیزوں کا ہے جو بظاہر خود بخود ہو رہی ہیں۔ ہمارا مشاہدہ ہے کہ ہم کھانا کھاتے ہیں تو بھوک مٹ جاتی ہے۔ بھوک سے کمزوری محسوس ہو رہی تھی' کھانے سے توانائی آ گئی' ہم یہ سمجھ لیتے ہیں کہ اس کھانے میں یہ تاثیر ہے کہ اس سے جسم میں قوت آ جاتی ہے۔ اسی طرح پانی پیاس ختم کرتا ہے' ہم سمجھتے ہیں کہ یہ پانی کی تاثیر ہے کہ پیاس بجھ جاتی ہے۔ اب اللہ ہمارے ذہن سے نکل گیا اور ہم اللہ سے محجوب ہو گئے۔ چنانچہ واقعہ یہ ہے کہ امام رازیؒ نے بڑی پیاری بات کہی ہے کہ جو عقولِ اعلیٰ یعنی بلند سطح کی عقول کے حامل لوگ ہیں' جن کو حقائق مستحضر رہتے ہیں' ان کا کہنا یہ ہے کہ:

مَا رَاَيْتُ شَيْئًا قَطُّ وَقَدْ رَاَيْتُ اللّٰهَ قَبْلَهٗ

''میں جس شے کو بھی دیکھتا ہوں مجھے اس سے پہلے اللہ نظر آتا ہے''۔

اور جو عقولِ متوسطہ کے حامل ہیں وہ یہ کہتے ہیں:

مَا رَاَیْتُ شَیْئًا قَطُّ وَقَدْ رَاَیْتُ اللّٰہَ مَعَہٗ

''میں نے جب بھی کسی شے کو دیکھا' مجھے اس کے ساتھ ہی اللہ نظر آیا۔''

اور ایک قسم کے لوگ وہ ہوتے ہیں جن کی عقول ادنیٰ درجے کی ہوتی ہیں' وہ کہتے ہیں کہ

''مَا رَاَیْتُ شَیْئًا قَطُّ وَقَدْ رَاَیْتُ اللّٰہَ بَعْدَہٗ

''جب بھی میں نے کسی شے کو دیکھا تو اس کے بعد مجھے اللہ نظر آیا''۔

کسی شے کو دیکھنے کے بعد اللہ یاد آ جائے تو یہ گویا معرفت کی سب سے نچلی شکل ہے' لیکن اللہ کی تخلیق کو دیکھتے رہیں اور اللہ نظر ہی نہ آئے تو یہ محجوبیت ہے' گمراہی ہے' یہ اللہ سے اوٹ میں ہو جانا ہے۔ سورۃ المطففین میں فرمایا:

﴿کَلَّآ اِنَّھُمْ عَنْ رَّبِّھِمْ یَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ﴾ (آیت ۱۵)

''بے شک یہ لوگ اُس روز اپنے پروردگار کے دیدار سے اوٹ میں ہوں گے''۔

قیامت کے دن وہ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے دیدار سے محجوب رہ جائیں گے' محروم کر دیئے جائیں گے' اللہ تعالیٰ کی تجلیات کا مشاہدہ نہ کر پائیں گے' جس طرح اس وقت دنیا میں محجوب ہیں۔ وہ اشیاء کو دیکھ رہے ہیں لیکن اللہ کو نہیں دیکھ رہے ہیں' جبکہ حقیقت میں جس کے دل میں اللہ موجود ہے' معرفت کے کسی درجے میں اسے ایمان باللہ حاصل ہے' اسے اللہ ہر جگہ' ہر آن' ہر لحظہ نظر آتا ہے۔ چنانچہ ایک بندۂ مؤمن اللہ کا یہ تصور رکھتا ہے کہ جو کچھ ہو رہا ہے از خود نہیں ہو رہا' میرے اللہ کے کرنے سے ہو رہا ہے۔ یہ اُس کا فیصلہ ہے ع ہر چہ ساقی ما ریخت عین الطاف است! میرے اللہ نے جو کچھ میری جھولی میں ڈال دیا ہے یہ اس کا لطف و کرم ہے' اس کی عطا ہے' اس کی دین ہے' اور اس میں یقیناً خیر ہی خیر ہے۔

اب دیکھئے کہ ﴿یُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّھَارِ وَیُوْلِجُ النَّھَارَ فِی الَّیْلِ﴾ کا مفہوم کیا ہے! ''وہ پرو لاتا ہے رات کو دن میں اور پرو لاتا ہے دن کو رات میں''۔ رات کو دن میں اور دن کو رات میں پرونے کا مفہوم سمجھ لیجئے۔ ایک تصور تو یہ ہے کہ جیسے ایک دھاگے میں تسبیح کے دانے پروئے ہوئے ہیں اور ایک ایک دانہ گر رہا ہے۔ سیاہ دانہ گرا تو یہ رات ہے اور سفید دانہ گرا تو یہ دن ہے۔ گویا ع میں اپنی تسبیحِ روز و شب کا شمار کرتا

ہوں دانہ دانہ! اور ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ کبھی دن بڑھتا ہے' رات گھٹتی ہے تو گویا دن رات میں داخل ہو رہا ہے اور کبھی دن گھٹتا ہے اور رات بڑھتی ہے تو گویا رات دن میں داخل ہو رہی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی صفتِ علم کا جامع بیان

آیت کے آخری الفاظ ہیں: ﴿ وَهُوَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ ﴾ ''اور وہ سینوں کے پوشیدہ راز تک جانتا ہے''۔ جو کچھ تمہارے سینوں میں ہے وہ اس کا جاننے والا ہے۔

سورۃ الحدید کی یہ چھ آیات اللہ تعالیٰ کے اسماءِ صفات اور اس کی معرفت کے بیان میں بہت اہم ہیں۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ کی صفت علم نہایت جامعیت کے ساتھ بیان ہوئی ہے۔ سب سے پہلے فرمایا:

﴿ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ ﴾ (آیت ۳)

''اور وہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے''۔

پھر اگلی آیت میں اس وضاحت کے بعد کہ وہ صرف کلیات ہی کا عالم نہیں' جزئیات سے بھی پوری طرح واقف ہے' فرمایا:

﴿ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ ﴾

''اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اسے دیکھ رہا ہے''۔

اور اب یہاں فرمایا کہ یہی نہیں' بلکہ:

﴿ وَهُوَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ ﴾

''وہ تو اسے بھی جانتا ہے جو تمہارے سینوں میں مخفی ہے''۔

اور آیت ۱۰ کے آخر میں آئے گا:

﴿ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝ ﴾

''اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے''۔

اس طرح اس سورۂ مبارکہ کے آغاز میں علم خداوندی کا ذکر کتنے مختلف اسالیب اور کتنے مختلف dimensions سے کیا گیا ہے۔

سورۂ تغابن میں اللہ تعالیٰ کے علم کو تین اسلوبوں سے ایک ہی آیت میں بیان کیا

گیا ہے: ﴿یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ ''وہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے'' ﴿وَیَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ﴾ ''اور وہ جانتا ہے جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ تم چھپاتے ہو''۔ ﴿وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ اس کو بھی جانتا ہے جو سینوں میں پوشیدہ ہے''۔ وہ دلوں کا حال تک جانتا ہے' وہ علیم بذات الصدور ہے۔

آخری بات یہ نوٹ کیجئے کہ سلسلۂ مُسبحات میں سے اوّلین سورۃ الحدید ہے' جسے ''اُمّ المسبحات'' کا درجہ حاصل ہے' جبکہ مُسبحات میں سے آخری سورۂ تغابن ہے' جس کا مطالعہ ہم کر چکے ہیں۔ سورۂ تغابن کا عنوان ہی ''ایمان اور اس کے ثمرات و مضمرات'' ہے۔ سورۃ الحدید کے جو مضامین ہم پڑھ چکے ہیں ان میں سے بعض مضامین وہاں تکرار کے ساتھ آئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے علم' قدرت اور حکومت' تینوں کا وہاں ذکر ہے۔ البتہ فلسفیانہ مضامین صرف یہیں ہیں۔

﴿ھُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاھِرُ وَالْبَاطِنُ﴾

اور

﴿وَھُوَ مَعَکُمْ اَیْنَ مَا کُنْتُمْ﴾

یہ درحقیقت فلسفۂ وجود کی سطح پر معرفت خداوندی کی بلند ترین منزل ہے اور یہ بحث قرآن مجید میں صرف اسی مقام پر آئی ہے۔

بارک اللہ لی ولکم فی القرآن العظیم ونفعنی وایاکم بالآیات والذکر الحکیم

مسلمان یا مؤمن

تحریر: پروفیسر احمد الدین مارہروی

بحیثیت مسلمان ہمارا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ہر قول سچا اور ہر وعدہ پختہ ہوتا ہے۔ خود قرآن میں جگہ جگہ مختلف پیرائے میں اس کا اظہار فرمایا گیا ہے۔ مثلاً:

۱) ﴿اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ﴾ (یونس:۵۵)

''بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے۔''

۲) ﴿وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ۝﴾ (النساء:۱۲۲)

''اور اللہ سے بڑھ کر کون اپنی بات کا پکا ہو سکتا ہے۔''

۳) ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا﴾ (فاطر:۵)

''اے لوگو! اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ پس تم کو دنیاوی زندگی دھوکا نہ دے۔''

آج میں آپ سے صرف ایک وعدہ کا ذکر کروں گا جس کو صحیح طور پر سمجھ لینے سے آپ کو اپنی تمام مشکلات اور پریشانیوں کا حل بھی معلوم ہو جائے گا اور ساتھ ہی وہ شکوک وشبہات بھی رفع ہو جائیں گے جو اس وعدہ کے سلسلے میں عام مسلمانوں کے دلوں میں طرح طرح کے وسوسات کو جنم دے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بڑے وثوق کے ساتھ اہل اسلام کو مخاطب کر کے فرمایا ہے:

﴿وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝﴾ (آل عمران:۱۳۹)

''اور تم ہمت نہ ہارو اور غم نہ کھاؤ، تم ہی غالب رہو گے اگر تم مؤمن ہو۔''

اس آیت میں ہم سے پختہ وعدہ کیا گیا ہے اور ہمیں ہمت دلائی گئی ہے کہ ہم ہی ساری دنیا میں غالب رہیں گے۔ لیکن ساتھ ہی یہ شرط بھی عائد کر دی گئی ہے کہ ہمیں ''مؤمن'' ہونا چاہئے۔

پھر سورۃ النور میں اس کی وضاحت اس طرح فرمائی گئی ہے:

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي

الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۪ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِى ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ؕ﴾ (النور:۵۵)

''تم میں سے ان لوگوں کے لئے جو مؤمن ہوئے اور نیک عمل کرتے رہے' اللہ کا وعدہ ہے کہ انہیں لازماً اس زمین کی خلافت عطا کرے گا جس طرح اُن سے پہلے لوگوں کو خلافت عطا کی تھی اور وہ لازماً ان کے دین کو ان کے لئے تمکن عطا کرے گا جسے اس نے ان کے لئے پسند کیا ہے اور لازماً ان کے خوف و ہراس کو امن سے تبدیل کر دے گا۔''

اس کے علاوہ یہ بھی فرمایا ہے:

﴿وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ۝﴾ (الروم:۴۷)

''مؤمنوں کی مدد کرنا ہمارے لئے لازمی ہے۔''

آج کا مسلمان جب ان آیات کو پڑھتا ہے اور پھر تمام دنیا کے مسلمانوں کی زبوں حالی اور بدبختی پر نظر ڈالتا ہے تو اس کا ایمان متزلزل ہونے لگتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے ان وعدوں کے بارے میں طرح طرح کے وسوسوں کا شکار ہو جاتا ہے۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ زمانۂ دراز سے اس کو یہ بتایا جا رہا ہے کہ ''مسلمان'' اور ''مؤمن'' ہم معنی الفاظ ہیں اور اس کے ذہن میں یہ بات نہیں آتی کہ اللہ کا یہ وعدہ مؤمن سے ہے مسلمان سے نہیں۔ جن لوگوں نے قرآن کو سمجھ کر پڑھا ہے انہیں علم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلم اور مؤمن کو متمیز کیا ہے جس کی دو مثالیں آپ کو سورۃ الاحزاب اور سورۃ التحریم میں ملیں گی' جہاں فرمایا گیا:

﴿اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ .....﴾ (الاحزاب:۳۵)

یا حضور ﷺ کی ازواج کے متعلق فرمایا گیا:

﴿اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ .....﴾ (التحریم:۵)

اور سورۃ الحجرات میں تو ان دونوں کے فرق کو بالکل واضح کر دیا گیا ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے اعراب (بدویوں) کے متعلق فرمایا ہے:

﴿قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا﴾ (الحجرات:۱۴)

''اعراب کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے (یعنی مؤمن ہو گئے)' ان سے فرما دیجئے کہ تم ایمان نہیں لائے بلکہ یوں کہو کہ ہم مسلمان ہو گئے۔''

مگر یہ فرق کہ مسلم اور مؤمن ایک نہیں اور ان کے مراتب بھی جداگانہ ہیں' حضور ﷺ کی اس حدیث مبارکہ سے بالکل واضح ہو جاتا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''لوگوں پر ایک ایسا دور آئے گا کہ مؤمن' مسلمانوں کی جماعت کے واسطے دعا کرے گا مگر اس کی یہ دعا قبول نہیں کی جائے گی۔''(۱)

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان دونوں' مسلم اور مؤمن' میں فرق کیا ہے؟ مسلمان کو تو ہم جانتے ہیں کہ کیا ہوتا ہے۔ وہ خود کو مسلمان کہتا اور سمجھتا ہے' کلمہ پڑھتا ہے اور خدا توفیق دے تو نماز روزہ کی پابندی کرتا اور قدرت ہونے پر زکوٰۃ دیتا' قربانی کرتا اور فریضۂ حج ادا کرتا ہے' لیکن یہ ظاہری امور ہیں اور ان کا دل کی گہرائیوں سے کوئی تعلق نہیں ہوتا' حالانکہ ایمان کا تعلق بنیادی طور پر دل سے ہے۔ آپ خود دیکھتے ہیں کہ اس طرح کے لوگ دنیاوی معاملات میں طرح طرح کی بدعنوانیوں میں بھی ملوث نظر آتے ہیں اور دین کی حقیقی روح سے عمر بھر بے خبر رہتے ہیں۔ نہ وہ قرآن کو سمجھتے ہیں نہ نماز کو' اور نہ قربانی یا روزہ کی حقیقت سے واقف ہیں' جس کے باعث ان کا شمار مؤمنوں میں نہیں ہو سکتا' اور ان پر اللہ تعالیٰ کا یہ قول صادق آتا ہے:

﴿وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۭ﴾ (الحجرات: ۱۴)

''ابھی ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔''

اب دیکھئے کہ مؤمن کون ہوتا ہے اور اس کے متعلق باری تعالیٰ کے کیا ارشادات ہیں اور اُس سے دنیا اور عاقبت میں کن کن نعمتوں اور اکرام کا وعدہ فرمایا گیا ہے!

---

(۱) مشکوٰۃ شریف' کتاب الرقاق۔ چنانچہ آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ مسجدوں ہی میں نہیں خانہ کعبہ میں بھی مسلمانوں کی بہبود کے واسطے دعائیں مانگی جا رہی ہیں مگر وہ قبول نہیں ہو رہیں' بلکہ حالات بد سے بدتر ہوتے جا رہے ہیں۔

مؤمن کی صفات

۱) ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۞ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۞ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۚ لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۞﴾(الانفال:۲۔٤)

''درحقیقت مؤمن وہی لوگ ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل دہل جاتے ہیں اور جب ان کو اللہ کی آیات پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو ان کا ایمان اور بڑھ جاتا ہے اور وہ اپنے ربّ پر بھروسہ کرتے ہیں' جو نماز کو قائم رکھتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو عطا کیا ہے اس میں سے (راہِ خدا میں) خرچ کرتے رہتے ہیں' یہی لوگ سچے مؤمن ہیں اور ان کے لئے اپنے ربّ کی طرف سے بلند مرتبہ' مغفرت اور عزت کی روزی ہے۔''

۲) ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۞﴾(الحجرات:۱۵)

''یقیناً مؤمن وہی لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر (دل سے) ایمان لائے اور پھر اس میں شک نہیں کیا اور اللہ کی راہ میں اپنی جانوں اور مالوں سے جہاد کیا' یہی لوگ سچے مؤمن ہیں۔''

۳) ﴿قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۞ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۞ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۞ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ۞ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۞ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۞ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۞ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۞ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۞ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ۞ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ۭ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۞﴾(المؤمنون:۱۔ ۱۱)

''بے شک مؤمنوں نے فلاح پائی' جو اپنی نمازوں میں اظہارِ عجز کرتے ہیں' اور بے ہودہ باتوں سے کنارہ کش رہتے ہیں' اور جو زکوٰۃ باقاعدہ ادا کرتے ہیں' اور بجز اپنی بیویوں اور کنیزوں کے اپنی شرمگاہوں کو محفوظ رکھتے ہیں جس پر انہیں کوئی ملامت نہیں' البتہ جو

اس کے علاوہ کچھ اور چاہیں وہی زیادتی کرنے والے ہیں' اور جو اپنی امانتوں اور معاہدوں کا پاس کرتے ہیں' اور جو اپنی نمازوں کا تحفظ کرتے ہیں' یہی لوگ جنت الفردوس کے وارث ہیں' جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔''

۴) ﴿وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ اُولٰۗىِٕكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾(التوبۃ:۷۱)

''اور مؤمن مرد اور مؤمن عورتیں ایک دوسرے کے مؤنس ہوتے ہیں' وہ نیکی کا حکم دیتے اور برائیوں سے روکتے ہیں' اور نماز کو قائم رکھتے اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں' اللہ جلد ہی ان پر مہربان ہوگا۔ یقیناً اللہ زبردست حکمت والا ہے۔''

۵) ﴿..... لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰي رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰۗىِٕرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۠ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ۠ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ﴾(الشوریٰ:۳۶۔۳۸)

''..... جو ایمان لائے (یعنی مؤمن) اور اپنے ربّ پر بھروسہ رکھتے ہیں' جو بڑے گناہوں سے بچتے اور بے حیائی کی باتوں سے اجتناب کرتے ہیں اور جب غصہ آئے تو درگزر کر جاتے ہیں' جو اپنے ربّ کا حکم مانتے ہیں' نماز قائم کرتے ہیں' اپنے معاملات باہمی مشورہ سے طے کر لیتے ہیں اور جو رزق ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے (راہِ خدا میں) خرچ کرتے ہیں۔''

۶) ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ۭ﴾(البقرۃ:۱۶۵)

''اور مؤمن سب سے بڑھ کر اللہ کو محبوب رکھتے ہیں۔''

۷) ﴿وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾(التوبۃ:۵۱)

''اور مؤمنوں کو صرف اللہ پر بھروسہ کرنا چاہئے''۔

یعنی مؤمن صرف اللہ پر بھروسہ کرتے ہیں۔

۸) ﴿فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾(التوبۃ:۱۳)

''اللہ کا زیادہ حق ہے کہ تم اس سے ڈرو اگر تم مؤمن ہو۔''

یعنی مؤمن صرف اللہ سے ڈرتا ہے۔

۹)﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مُشْفِقُوْنَ مِنْهَا ۙ وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهَا الْحَقُّ ۭ﴾(الشوریٰ:۱۸)

''جو لوگ ایمان لائے (یعنی مؤمن) وہ قیامت سے ڈرتے ہیں اور جانتے ہیں کہ وہ برحق ہے۔''

ان آیات کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد غور کیجئے کہ کیا آپ اس معیار پر پورا اترتے ہیں؟ اگر جواب نفی میں ہے تو سمجھ لیجئے کہ آپ مسلمان تو بے شک ہیں لیکن مؤمن نہ ہونے کے باعث آپ اللہ تعالیٰ کے اس وعدہ کے مستحق نہیں کہ آپ ہی اس دنیا میں صاحب اقتدار ہوں گے' نہ اس جزا کے حق دار ہیں جس کا قرآن میں جگہ جگہ وعدہ کیا گیا ہے یا جن کو جنت کی بشارت دی گئی ہے۔ مثلاً:

۱)﴿وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾(الانفال:۱۹)

''اور بے شک اللہ مؤمنوں کے ساتھ ہے۔''

۲)﴿وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا﴾(الاحزاب:۴۳)

''اور اللہ مؤمنوں پر بہت مہربان ہے۔''

۳)﴿اِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ﴾(الحج:۳۸)

''اور بے شک اللہ مؤمنوں کی ان کے دشمنوں سے مدافعت کرتا ہے۔''

۴)﴿اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾(البقرۃ:۲۵۷)

''بے شک اللہ مؤمنوں کا حامی و مددگار ہے۔''

۵)﴿وَاِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾(الحج:۵۴)

''بے شک اللہ مؤمنوں کی صراطِ مستقیم کی طرف راہ نمائی کرتا ہے۔''

مؤمن کا اجر

۱)﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰي مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۙ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ﴾(محمد:۲)

''جو لوگ ایمان لائے (یعنی مؤمن) اور نیک کام کئے اور اس پر ایمان لائے جو محمد (ﷺ) پر نازل ہوا (یعنی قرآن)' جو برحق ہے ان کے ربّ کی طرف سے' تو اللہ ان کی برائیوں کو دُور کر دے گا اور ان کے حالات درست کر دے گا۔''

۲) ﴿وَيَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۭ﴾(الشوریٰ:٢٦)

''اور اللہ ان لوگوں کی دعائیں قبول کرتا ہے جو ایمان لائے (یعنی مؤمن) اور جنہوں نے نیک عمل کئے' اور ان کو اپنے فضل وکرم سے زیادہ دیتا ہے۔''

۳) ﴿وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا۝﴾(النساء:١٢٤)

''اور جو شخص نیک کام کرے گا' خواہ مرد ہو یا عورت' بشرطیکہ وہ مؤمن ہو' تو یہی لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور اُن پر ذرہ برابر ظلم نہ کیا جائے گا۔''

۴) ﴿وَمَنْ يَّاْتِهٖ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰى۝ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ جَزٰۗؤُا مَنْ تَزَكّٰى۝﴾(طٰہٰ:٧٥'٧٦)

''اور جو (قیامت کے دن) اللہ کے پاس مؤمن ہو کر آئے گا اور اس نے نیک عمل کئے ہوں گے تو ایسے لوگوں کے لئے بلند درجات ہیں' ہمیشہ رہنے والے باغات جن کے نیچے نہریں رواں ہوں گی اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے' یہ اُس شخص کا اجر ہے جس نے پاکیزہ زندگی گزاری۔''

۵) ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ۭ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا۝﴾(النساء:١٢٢)

''جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے ہم انہیں جنت کے ایسے باغات میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور وہ اس میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے' یہ اللہ کا سچا وعدہ ہے اور اللہ سے بڑھ کر کون اپنے وعدے کا سچا ہوگا!''

۶) ﴿وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ۭ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ۝﴾(التوبة:٧٢)

''اللہ تعالیٰ نے مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں سے ایسے باغات کا وعدہ فرمایا ہے جن کے نیچے نہریں جاری ہیں' وہ ہمیشہ وہیں رہیں گے' اور ایسے پاکیزہ گھروں کا وعدہ فرمایا ہے جو دائمی جنت میں ہوں گے' اور ان سب سے بڑھ کر اللہ کی خوشنودی ہے' جو سب سے

بڑی کامیابی ہے۔''

۷)﴿اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاٰیٰتِنَا وَکَانُوْا مُسْلِمِیْنَ ۞ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ اَنْتُمْ وَاَزْوَاجُکُمْ تُحْبَرُوْنَ ۞﴾(الزخرف:۶۹،۷۰)

''جو لوگ ہماری آیات پر ایمان لائے (یعنی مؤمن) اور وہ فرماں بردار بن کر رہے (ان سے کہا جائے گا) تم اور تمہاری بیویاں خوش وخرم جنت میں داخل ہو جاؤ!''

۸) سورۃ العصر تو پوری کی پوری اس سلسلہ میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے جس میں پرزور طریقہ پر فرمایا گیا ہے:

﴿وَالْعَصْرِ ۞ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۞ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۞﴾

''زمانہ کی قسم! بے شک انسان بڑے خسارے میں ہے' بجز اُن لوگوں کے جو ایمان لائے (یعنی مؤمن) اور جنہوں نے نیک عمل کئے اور ایک دوسرے کو حق کی نصیحت اور صبر کی تلقین کرتے رہے۔''

جنت کی بشارت

اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں کو خود بھی جنت کی بشارت دی ہے اور حضور ﷺ سے بھی ارشاد فرمایا ہے کہ انہیں اس کی بشارت دے دیں۔ مثلاً:

۱)﴿وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِیْ رَوْضٰتِ الْجَنّٰتِ ۚ لَهُمْ مَّا یَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ ذٰلِکَ هُوَ الْفَضْلُ الْکَبِیْرُ ۞ ذٰلِکَ الَّذِیْ یُبَشِّرُ اللّٰهُ عِبَادَهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ﴾(الشوریٰ:۲۲،۲۳)

''اور جو لوگ ایمان لائے (یعنی مؤمن) اور انہوں نے نیک عمل کئے وہ بہشت کے باغوں میں ہوں گے اور جو کچھ چاہیں گے ان کے ربّ کے ہاں انہیں ملے گا۔ یہی ہے بہت بڑا فضل۔ اور یہی وہ شے ہے جس کی خوشخبری اللہ تعالیٰ اپنے ان بندوں کو دیتا ہے جو مؤمن ہوئے اور جنہوں نے نیک عمل کئے۔''

۲)﴿وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا کَبِیْرًا ۞﴾(الاحزاب:۴۷)

''اور آپ (اے محمد ﷺ!) مؤمنوں کو خوشخبری سنا دیجئے کہ ان پر اللہ کی طرف سے

بہت بڑا فضل ہے۔''

۳)﴿يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۞ وَاُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا ۭ نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ ۭ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۞﴾(الصف:۱۲،۱۳)

''وہ (اللہ) تمہارے گناہ بخش دے گا اور تم کو ایسے باغات میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی اور ایسے پاکیزہ مکانات عطا کرے گا جو دائمی باغات میں ہوں گے۔ یہ بہت بڑی کامیابی ہے' اور دوسری چیز جو تمہیں محبوب ہے وہ اللہ کی طرف سے مدد اور قریب کی کامیابی ہے۔ اور آپ (اے محمد ﷺ!) مؤمنوں کو خوشخبری سنا دیجئے۔''

۴) ان سب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ نے مؤمن کی ایک شان یہ بتائی ہے کہ:

﴿اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ۞﴾(المؤمن:۷)

''وہ (فرشتے) جنہوں نے عرش کو تھام رکھا ہے اور جو اس کے گرد ہیں' اللہ کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتے اور اس پر ایمان لاتے ہیں' اور ان لوگوں کے لئے جو مؤمن ہیں بخشش طلب کرتے ہیں کہ اے ہمارے ربّ! تیری رحمت اور علم ہر شے پر محیط ہے' تو اُن لوگوں کو بخش دے جنہوں نے توبہ کی اور تیری راہ پر چلے اور انہیں عذابِ دوزخ سے بچا لے!''

مؤمن اور غیر مسلم

ہر مؤمن پر یہ بھی لازم ہے کہ وہ غیر مسلم کو اپنا دوست نہیں بناتا اور اس کی یہ خصوصیت جا بجا بیان ہوئی ہے۔ مثلاً:

۱)﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَاۗءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ﴾(النساء:۱۴۴)

''اے ایمان والو! تم مؤمنوں کے علاوہ کافروں کو اپنا دوست نہ بناؤ!''

۲)﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَاۗءَ﴾(الممتحنة:۱)

''اے ایمان والو! تم میرے اور اپنے دشمنوں (غیر مسلموں) کو دوست نہ بناؤ!''

۳)﴿لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَاۗءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ

فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ..... ﴾(آل عمران:۲۸)

''مؤمن بجز مؤمنوں کے کافروں کو اپنا دوست نہ بنائیں' اور جس نے ایسا کیا اسے اللہ سے کوئی سروکار نہیں''۔

۴)﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۭ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ۭ ﴾(المائدۃ:۵۱)

''اے ایمان والو! یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ' یہ سب ایک دوسرے کے دوست ہیں' اور اگر کوئی تم میں سے انہیں دوست بناتا ہے تو وہ بھی انہی میں سے ہے۔''

مؤمن کا امتحان

یہ دنیا ایک امتحان گاہ ہے۔ چنانچہ مؤمن کا بھی امتحان لیا جاتا ہے کہ آیا وہ واقعی صرف اللہ پر بھروسہ کرتا ہے اور اسی کو حقیقتاً کارسازِ عالم سمجھتا ہے؟ صرف زبان سے یہ کہہ دینا کافی نہیں کہ ہم ایمان لے آئے اور اب ہمارا شمار مؤمنوں میں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

۱)﴿اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ﴾(العنکبوت:۲)

''کیا لوگ یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ انہیں صرف یہ کہنے پر چھوڑ دیا جائے گا کہ ہم ایمان لے آئے اور انہیں آزمائش میں نہ ڈالا جائے گا؟''

۲)﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ۝ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ۭ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝ اُولٰۗىِٕكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۟ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ۝ ﴾(البقرۃ:۱۵۳_۱۵۷)

''اے مؤمنو! صبر اور نماز سے استعانت حاصل کرو! یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ اور جو اللہ کی راہ میں قتل کیا جائے تو ایسے لوگوں کو مردہ مت کہو! بلکہ وہ زندہ ہیں اور تمہیں (ان کی زندگیوں کا) شعور نہیں ہے۔ ہم لازماً تمہارا کسی قدر خوف' بھوک' مال و

جان اور پھلوں کی کمی سے امتحان لیں گے' اور (آپ ﷺ) صبر کرنے والوں کو خوشخبری سنا دیجئے۔ جب اُن پر مصیبت پڑتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ ہی کے لئے ہیں اور اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں' یہی لوگ ہیں جن پر ان کے ربّ کی طرف سے رحمتیں ہوتی ہیں اور یہی لوگ سیدھی راہ پر چلنے والے ہیں۔''

اب دیکھئے کہ مؤمن کی اس شان' جنت کی بشارت' اللہ کی خوشنودی اور دنیا کی خلافت کے وعدوں کے مقابلے میں عام مسلمان یا مسلم کے بارے میں ارشاداتِ باری تعالیٰ کیا ہیں؟

مسلم یا مسلمان کون؟

اس سلسلہ میں پہلی بات تو سمجھنے اور یاد رکھنے کی یہ ہے کہ اسلام صرف اُمت محمدیؐ تک ہی محدود نہیں' بلکہ یہ ہر انسان کا فطری دین ہے۔ چنانچہ اس کے متعلق مشہور حدیث ہمارے سامنے ہے:

((كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَاَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ اَوْ يُنَصِّرَانِهِ اَوْ يُمَجِّسَانِهِ))(۱)

''ہر بچہ فطرت (اسلام) پر پیدا ہوتا ہے' لیکن اس کے والدین اسے یہودی' نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں''۔

تمام انبیائے کرام یہی دین لے کر آئے تھے جس کی شہادت قرآن نے اس طرح دی ہے:

﴿اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ﴾ (آل عمران:۱۹)

''دین تو اللہ کے نزدیک صرف اسلام ہے''۔

مزید فرمایا:

﴿وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ﴾ (آل عمران:۸۵)

''جو اسلام کے سوا کسی دوسرے دین کا خواہاں ہو وہ اس سے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا''۔

---

(۱) صحیح البخاری' کتاب الجنائز' باب ما قیل فی اولاد المشرکین' ح ۱۲۹۶ ۔ یہ حدیث الفاظ کے ردّوبدل کے ساتھ بخاری ہی کے کئی دوسرے ابواب کے علاوہ صحیح مسلم اور مسند احمد میں بھی موجود ہے۔

اسلام کا ذکر سب سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں آتا ہے جنہوں نے فرمایا:

﴿وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ﴾ (یونس:۷۲)

''اور مجھے (اللہ کی طرف سے) حکم ہوا ہے کہ میں ''مسلمین'' میں سے ہوں''۔

لیکن یہ نام (مسلم) حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دور سے رائج ہوا (اسی لئے مسلمانوں کو ملت ابراہیمی بھی کہا جاتا ہے)

﴿اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ (البقرۃ:۱۳۱)

''(ابراہیمؑ کا حال یہ تھا کہ) جب اس کے ربّ نے اس سے کہا کہ مسلم ہو جا تو اس نے فوراً کہا: ''میں ربّ العالمین کا مسلم ہو گیا''۔یعنی میں نے ربّ العالمین کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا۔

اس کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی کہ:

﴿اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴾ (البقرۃ:۱۳۲)

''بے شک اللہ نے تمہارے لئے اس دین (اسلام) کو منتخب کیا ہے' لہٰذا مرتے دم تک مسلم ہی رہنا!''

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح آنحضرت ﷺ کو بھی اسلام لانے کا حکم خدا تعالیٰ ہی کی طرف سے جاری ہوا:

﴿قُلْ اِنِّيْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ.....﴾ (الانعام:۱۴)

''کہہ دیجئے کہ یقیناً مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سب سے پہلا مسلمان ہو جاؤں''۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جس اسلام کا یہاں ذکر ہو رہا ہے اس کا مفہوم کیا ہے؟ اس بارے میں تمام علماء' مفسرین اور محققین متفق ہیں کہ اس کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ کے آگے سر جھکا دینا' سر تسلیم خم کر دینا' یعنی نہ صرف اس کی یکتائی کو تسلیم کرنا بلکہ اس کے ہر حکم کی پابندی کو اپنا فرض سمجھنا۔ جو شخص دائرۂ اسلام میں داخل ہوتا ہے وہ تمام معبودوں سے رشتہ توڑ کر صرف اللہ کو اپنا معبود اور آقا تسلیم کرتا اور اس کے تمام احکام کی پیروی کرنے لگتا ہے۔ یہی حقیقی اسلام ہے اور اسی کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

۱) ﴿فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰٓئِكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا﴾ (الجن:۱۴)

''جن لوگوں نے اسلام اختیار کیا انہوں نے نجات کی راہ ڈھونڈ لی''۔

۴)﴿اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ؕ﴾(الانعام:۱۲۲)

''کیا وہ شخص جو پہلے مردہ تھا پھر ہم نے اسے زندگی بخشی اور اس کو وہ روشنی عطا کی جس کے اجالے میں وہ لوگوں کے درمیان زندگی کی راہ طے کرتا ہے' اُس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جو تاریکیوں میں پڑا ہوا ہو اور کسی طرح ان سے نہ نکلتا ہو؟''

گویا اسلام لانے والے پہلے مردہ تھے' زندہ ہو گئے' اندھیرے میں تھے' اُجالے میں آ گئے۔

۳)﴿فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ﴾(الانعام:۱۲۶)

''پس اللہ جس کے لئے ہدایت کا ارادہ کرتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے''۔

۴)﴿وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ۝﴾(حٰمٓ السجدة:۳۳)

''اور اس شخص سے بڑھ کر کون خوش گفتار ہے جس نے اللہ کی طرف بلایا اور نیک عمل کئے اور کہا کہ میں مسلمین میں سے ہوں''۔

۵)﴿وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ﴾(النساء:۱۲۵)

''اور اس شخص سے بڑھ کر کس کا دین بہتر ہوگا جس نے اپنا سر اطاعت اللہ کے آگے جھکا دیا (یعنی مسلمان ہو گیا) اور وہ نیکوکار بھی ہے اور اس نے ابراہیمؑ کے طریقے کی پیروی کی جو یکسو تھا''۔

مسلم کا اجر

جس طرح آپ مؤمنوں کے بارے میں ان کے اجر کا ذکر پڑھ چکے ہیں اسی طرح اللہ نے مسلموں کے واسطے بھی جزا کا ذکر فرمایا ہے۔ یہ بھی ملاحظہ کیجئے اور دونوں کا مقابلہ کر کے خود ہی فیصلہ کیجئے کہ ان میں کتنا فرق ہے!

۱)﴿بَلٰى ۚ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۪ وَلَا خَوْفٌ

عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ﴾(البقرۃ:۱۱۲)

''کیوں نہیں! جو اپنی جبین نیاز اللہ کے حضور جھکا دے (اسلام لے آئے) اور وہ نیکوکار بھی ہو' اس کے رب کے ہاں اس کے لئے اجر ہوگا' اور ان لوگوں کو نہ خوف ہوگا نہ وہ غم کھائیں گے''۔

۲)﴿اِنَّ الَّذِيۡنَ قَالُوۡا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسۡتَقَامُوۡا فَلَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ ۞ اُولٰٓئِكَ اَصۡحٰبُ الۡجَنَّةِ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ﴾(الاحقاف:۱۳'۱۴)

''بے شک جنہوں نے کہا کہ ہمارا ربّ اللہ ہے اور پھر وہ اس پر قائم رہے ان کو نہ کوئی خوف ہوگا نہ وہ رنجیدہ ہوں گے۔ یہ لوگ جنتی ہیں اور اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ صلہ ہوگا ان کے نیک اعمال کا''

۳)﴿اِنَّ الۡمُسۡلِمِيۡنَ وَالۡمُسۡلِمٰتِ وَالۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتِ..... اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمۡ مَّغۡفِرَةً وَّاَجۡرًا عَظِيۡمًا﴾(الاحزاب:۳۵)

''بے شک اللہ نے مسلمان مَردوں اور مسلمان عورتوں' مؤمن مَردوں اور مؤمن عورتوں ..... کے لئے مغفرت اور اجرِ عظیم تیار کر رکھا ہے''۔

لیکن اس سلسلہ میں یہ بات بھی یاد رکھنے اور سمجھنے کی ہے کہ ہم میں سے اکثر و بیشتر مسلمان وہ ہیں جو خود اسلام نہیں لائے بلکہ صرف مسلمان گھرانوں میں پیدا ہونے کی وجہ سے اپنے آپ کو مسلمان کہتے اور سمجھتے ہیں۔ وہ ارکانِ اسلام کی پابندی ضرور کرتے ہیں مگر اسلام کی روح سے عمر بھر بے بہرہ رہتے ہیں۔ انہوں نے کبھی قرآن کا سمجھ کر مطالعہ نہیں کیا' انہیں علم نہیں کہ مالک حقیقی نے انہیں کیا حکم دیا ہے اور وہ ان سے کن امور کا متوقع ہے۔ انتہا تو یہ ہے کہ جو نمازیں وہ روزانہ پنج وقتہ ادا کرتے ہیں ان کے مفہوم سے بھی بے خبر ہی رہتے ہیں۔

اب ایک اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے بھی (جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے) مؤمن اور مسلم میں تفریق فرمائی ہے اور حضور ﷺ کی حدیث مبارکہ میں بھی ان دونوں کو جداگانہ قرار دیا گیا ہے تو پھر ان دونوں لفظوں میں خلط ملط کس طرح

ہوگیا اور دونوں ہم معنی اور مترادف کس طرح سمجھے جانے لگے؟ عوام کو تو چھوڑیئے علماء تک نے اس فرق کو ملحوظ نہیں رکھا۔ چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ اکثر مترجمین و مفسرین قرآن نے:

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ﴾ (الحجرات: ۱۰)

''بے شک تمام مؤمن بھائی بھائی ہیں''۔

کا ترجمہ بالعموم ''مسلمان بھائی بھائی ہیں'' کیا ہے' جو سراسر غلط ہے اور عملاً بھی غلط ثابت ہوا ہے۔ آج پاکستان میں جس طرح ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو قتل کر رہا ہے یا مشرقی پاکستان میں جس طرح خون آشامی کا بازار گرم ہوا اس سلسلہ میں اس آیت کو پیش کیا جاتا ہے' حالانکہ اس کا تعلق مسلمانوں سے نہیں مؤمنوں سے ہے اور ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے جو ارشاد فرمایا ہے وہ بھی سن لیجئے:

۱) ﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَاً ۚ﴾ (النساء: ۹۲)

''اور کسی مؤمن کے لئے جائز نہیں کہ وہ کسی مؤمن کو قتل کرے بجز غلطی کے''۔

لیکن اگر مؤمن جان بوجھ کر مؤمن کو قتل کرے تو اس کے واسطے حکم ملاحظہ فرمایئے:

۲) ﴿وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآئُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا﴾ (النساء: ۹۳)

''اور جو شخص کسی مؤمن کو جان بوجھ کر قتل کرے گا تو اس کی جزا جہنم ہے' جہاں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس پر اللہ کا غضب اور لعنت ہوگی اور اللہ نے اس کے لئے بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے''۔

لیکن یہاں بھی قرآن کے بعض مترجمین اور مفسرین نے مؤمن کا ترجمہ مسلمان ہی کر دیا ہے جو آیاتِ قرآنی اور منشائے ربانی کے لحاظ سے قطعاً غلط ہے۔

اس مغالطہ کو سمجھنے اور آئندہ کے لئے دور کرنے کی خاطر ہمیں ایک نظر اسلام کی ابتدائی تاریخ پر ڈالنی ہوگی۔ دوسرے مذاہب کے برخلاف جو سب بیک وقت نافذ العمل ہوئے اسلام کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ تیئیس برس کے ارتقائی منازل طے کر کے مکمل ہوا۔ اس کے دو ادوار تو بالکل واضح ہیں' یعنی مکی اور مدنی' لیکن ان دو کو بھی دو دو

حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ابتداء میں جب ظلمت اور جہالت کا دور دورہ تھا' خود سر' اکھڑ' قدامت پسند عربوں کو یہ چند باتیں سمجھانا بھی مشکل تھا کہ اللہ ایک ہے' صرف وہی لائق عبادت ہے۔ اس کا وہ یہ جواب دیتے تھے کہ تین سو ساٹھ معبودوں کو چھوڑ کر بس ایک ہی خدا کی پرستش کرنا تو بڑے گھاٹے کا سودا ہے۔ پھر انہیں یہ بتانا اور بھی مشکل تھا کہ ایک روز قیامت آنے والی ہے جب سب مردے دوبارہ زندہ ہوں گے اور ان کے اعمال کا حساب کتاب ہوگا۔ آج کل کے سائنس دانوں اور دہریوں کی طرح ان کی بھی یہی منطق تھی کہ جب ہماری ہڈیاں گل سڑ جائیں گی تو یہ دوبارہ پیدا ہونے والی بات تو بعید از عقل ہے۔ پھر انہیں آنحضرت ﷺ کو پیغمبر خدا ماننے سے بھی انکار تھا۔ پہلی قوموں کی طرح وہ بھی یہی کہتے تھے کہ اگر اللہ کو ہماری اصلاح کے لئے کسی کو بھیجنے کی ضرورت تھی تو وہ کسی فرشتے کو نازل کرتا۔

ان خیالات کو مدنظر رکھتے ہوئے اس نئے دین کو قبول کرنا آسان نہیں تھا اور اُن صحابہ رضی اللہ عنہم کی جرأت و ہمت کی داد دینی پڑتی ہے جنہوں نے اس وقت حضور ﷺ کی دعوت پر لبیک کہا اور دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ''السّابقون الاوّلون'' کے لقب سے یاد فرمایا اور سورۃ الواقعہ میں ان کی جزا کا ذکر ہے۔ یہ لوگ اپنی قوم کے کافروں سے کٹ کر الگ ہو گئے' انہوں نے تمام خداؤں کو چھوڑ کر اللہ کے سامنے سر اطاعت خم کیا اور مسلم کہلائے۔ یہ پہلے مسلمان تھے۔ لیکن کیا یہ ہم جیسے سکہ بند مسلمان تھے؟ اس کا جواب خود آپ کا دل نفی میں دے گا۔ رفتہ رفتہ ان کی تعداد بھی بڑھی اور حضور ﷺ کی تعلیم اور وحی الٰہی کے ماتحت ان کی اعلیٰ تربیت بھی ہوتی رہی۔

دوسرا دَور وہ آیا جب اُن میں دین کی پختگی پیدا ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ اسلام کے بعد دوسرا درجہ ایمان ہے جس کی چند خصوصیات ہیں۔

تیسرا دَور ہجرت کے بعد مدنی زندگی سے شروع ہوتا ہے۔ اب تک مسلمان دین میں پختہ ہو چکے تھے' ایمان ان کے سینوں میں داخل ہو چکا تھا' لہٰذا انہیں بجائے مسلم کے مؤمن کے لقب سے یاد کیا جانے لگا۔ ان کی مزید اصلاح کے واسطے مختلف

احکامات جاری ہوئے اور وہ اپنے دین وایمان میں زیادہ مستحکم ہو گئے۔

مکہ کا ابتدائی دَور نسبتاً کافی لمبا تھا۔ قرآن کی زیادہ تر سورتیں اسی زمانہ میں نازل ہوئیں۔ حضور ﷺ کی اکثر احادیث بھی اسی زمانہ سے تعلق رکھتی ہیں جن میں ایمان لانے والوں کو مسلم (مسلمان) کہا گیا ہے۔ اس لئے یہ لقب عام ہو گیا۔ لیکن مدنی دَور کی تمام سورتوں میں انہیں مؤمن ہی کے لقب سے یاد یا مخاطب کیا گیا ہے' جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اب مسلمان کا معیار زیادہ بلند ہو گیا تھا اور اہل اسلام کے لئے صرف یہ کہہ دینا کافی نہ تھا کہ ہم اسلام لے آئے یا مسلمان ہو گئے (جیسا کہ اعراب یا منافق کہتے تھے) بلکہ اُن کو دل کی گہرائیوں سے ایمان لانا اور شریعت کے احکام کی پابندی کرنا لازمی تھا۔ اس طرح وہی لوگ جو مکی دور میں مسلم یا مسلمان کہلاتے تھے اب مؤمنین کہلانے لگے۔ بقول مولانا عبدالحیؒ: ''ابتداءً وہ صرف مسلم تھے' بعد میں ہو گیا لقب مؤمن''۔

اس کی ایک مثال ہمیں آنحضرت ﷺ کے ابتدائی دور کی ایک حدیث اور بعد کی ایک قرآنی آیت سے بخوبی ملتی ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا تھا: ((اَلْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ)) (مشکوٰۃ شریف) یعنی ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے' جبکہ اللہ تعالیٰ نے مدنی دور کی سورۃ الحجرات میں ارشاد فرمایا ہے:

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ﴾ (آیت ۱۰)

''یقیناً مؤمن تو آپس میں بھائی بھائی ہیں۔''

بات چونکہ بالکل یکساں نظر آتی ہے اس لئے علمائے سلف نے اس کا بھی حدیث کے مطابق ''مسلمان مسلمان کا بھائی ہے'' ترجمہ کر دیا اور اس پر غور نہ کیا کہ قدریں تبدیل ہو گئی تھیں اور بعد کا حکم یا بڑی عدالت کا حکم پہلے کی تنسیخ کر سکتا ہے۔

اس اختلاط کی سب سے بڑی وجہ ہمیں یہ نظر آتی ہے کہ ابتدائی احادیث میں اہل اسلام کو مسلم کے لقب سے یاد کیا گیا ہے' مثلاً:

۱) ((اِذَا الْتَقَى الْمُسْلِمَانِ بِسَيْفَيْهِمَا فَالْقَاتِلُ وَالْمَقْتُوْلُ فِي النَّارِ))[1]

(۱) صحیح البخاری' کتاب الایمان' باب ﴿وَاِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا﴾

''مسلمان قاتل ومقتول دونوں دوزخ میں جائیں گے اگر باہم لڑتے ہوئے قتل ہوئے۔''

۲) صحابہ ﷺ نے دریافت کیا: اے اللہ کے رسول! کون سے اسلام افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهٖ وَيَدِهٖ))(۱)

''(افضل مسلمان وہ ہے) جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمان محفوظ رہیں۔''

۳) ((اُنْصُرْ اَخَاكَ ظَالِمًا اَوْ مَظْلُوْمًا))(۲)

''اپنے مسلمان بھائی کی مدد کرو خواہ ظالم ہو یا مظلوم!''

۴) ((تَقْرَأُ السَّلَامَ عَلٰى مَنْ عَرَفْتَ وَعَلٰى مَنْ لَمْ تَعْرِفْ))(۳)

''(اسلام کے بہترین اعمال میں سے یہ بھی ہے کہ) تم ہر مسلمان کو سلام کرو چاہے تمہاری اس سے جان پہچان ہو یا نہ ہو۔''

لیکن بعد میں جب اللہ نے ان کو مؤمن کہا تو حضور ﷺ بھی احادیث میں یہی لفظ استعمال فرمانے لگے۔ مثلاً:

۱) ''موت تحفہ ہے مؤمن کا''(٤)

۲) ((لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ))(٥)

''تم میں سے کوئی مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک میری (حضور ﷺ کی) محبت اسے اپنے باپ اور اولاد سے زیادہ نہ ہو۔''

۳) ((وَالْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهٗ بَعْضًا))(٦)

''مؤمن مؤمن کے لئے مثل عمارت کے ہے کہ اس کا ایک حصہ دوسرے کو تقویت دیتا ہے۔''

۴) ((لَا تَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى تُؤْمِنُوْا وَلَا تُؤْمِنُوْا حَتّٰى تَحَابُّوْا))(۷)

---

(۱) صحیح البخاری' کتاب الایمان' باب ای الاسلام افضل۔

(۲) صحیح البخاری' کتاب المظالم والغصب' باب اعن اخاك ظالما او مظلوماً۔

(۳) صحیح البخاری' کتاب الاستئذان' باب السلام للمعرفة وغیر المعرفة۔

(٤) بیہقی' بروایت عبد اللہ بن عمرؓ۔

(٥) صحیح البخاری' کتاب الایمان' باب حب الرسول من الایمان۔

(٦) صحیح مسلم' کتاب البر والصلة' باب تراحم المؤمنین وتعاطفهم وتعاضدهم۔

(۷) صحیح مسلم' کتاب الایمان' باب بیان انه لا یدخل الجنة الا المؤمنون۔

''تم جنت میں نہیں جا سکتے جب تک مؤمن نہ ہو جاؤ' اور تم پورے مؤمن نہیں ہو سکتے جب تک تم میں باہمی محبت نہ ہو۔''

۵) ((لَا یُلْدَغُ الْمُؤْمِنُ مِنْ جُحْرٍ وَاحِدٍ مَرَّتَیْنِ)) (۱)

''مؤمن ایک سوراخ سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جاتا۔''

بعض احادیث ایسی بھی ملتی ہیں جن میں ابتداءً مسلم کا لفظ استعمال ہوا ہے لیکن بعد میں جب حضور ﷺ نے اس میں اضافہ فرمایا تو مؤمن کا لفظ استعمال کیا۔ مثلاً:

((اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهٖ وَیَدِهٖ)) (۲)

''مسلمان تو وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ کی ایذا سے تمام مسلمان محفوظ رہیں''۔

لیکن اسی حدیث میں ترمذی اور نسائی نے بعد کے ان الفاظ کا اضافہ کیا ہے کہ:

((وَالْمُؤْمِنُ مَنْ اَمِنَهُ النَّاسُ عَلٰی دِمَائِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ)) (۳)

''اور مؤمن وہ ہے جس کو لوگ اپنی جان و مال کے بارے میں امین سمجھیں''۔

ان چند مثالوں سے آپ کو اندازہ ہو گیا ہو گا کہ مسلم اور مؤمن جداگانہ الفاظ اور مصطلحات ہونے کے باوجود کیوں خلط ملط ہو گئے۔

اس میں شک نہیں کہ کسی کا مسلمان ہونا خود اللہ تعالیٰ کا اس پر بڑا احسان ہے' لیکن جیسا کہ آپ نے دیکھا' یہ دنیاوی اور اخروی ترقی کا صرف پہلا زینہ ہے۔ جبکہ کامیابی کے واسطے اللہ تعالیٰ نے جو معیار مقرر کیا ہے وہ اس کا مقتضی ہے کہ ہم مؤمن بن جائیں جس کے نتیجے میں بقول علامہ اقبال ؏ ''یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں!'' یعنی تمام دنیا کی تقدیر ہمارے ہاتھ میں آ جائے گی۔

وما علینا الا البلاغ المبین۔

---

(۱) صحیح البخاری' کتاب الادب' باب لا یلدغ المؤمن من جحر واحد مرتین۔ وصحیح مسلم' کتاب الزھد والرقائق' باب لا یلدغ المؤمن من جحر واحد مرتین۔

(۲) صحیح البخاری' کتاب الایمان' باب ای الاسلام افضل۔

(۳) سنن الترمذی' کتاب الایمان' باب ما جاء فی ان المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده۔ وسنن النسائی' کتاب الایمان وشرائعه' باب صفة المؤمن۔

علامہ اقبال کا ایک حیات بخش پیغام:

اگر خواہی حیات اندر خطر زی!

''اگر تو (کامیاب) زندگی چاہتا ہے تو خطرات کے ماحول میں زندگی بسر کر!''

تحریر: محمد سہیل قریشی

سبحان اللہ! علامہ اقبال نے چند بلیغ الفاظ میں جدوجہد کا کتنا عظیم الشان درس دیا ہے۔ انسانی زندگی سے اگر ذوقِ خطر (The spirit of adventure) کو خارج کر دیا جائے تو انسان پر کس قدر مرگ آفریں تعطل طاری ہوتا ہے۔ نفسیاتی نقطۂ نظر سے بھی فقدانِ خطر کے یہ اثرات ضرور مرتب ہوتے ہیں کہ دل میں امید و یقین کی جھلک نہیں رہتی، جذبۂ آرزو سرد پڑ جاتا ہے، ہر روشن چیز تاریک دکھائی دینے لگتی ہے اور حواس مغلوب و منفعل ہو جاتے ہیں۔ ایسا شخص معاشرے کا ایک عضو معطل ہی نہیں ملت پر ایک بوجھ بن کر رہ جاتا ہے۔ یہی وہ منحوس شخص ہے جو اقبال کے الفاظ میں ''ننگ وجود'' ہے۔ یہ طرزِ عمل جس کا ایک مظہر ''رہبانیت'' بھی ہے، زندگی سے شرمناک گریز ہے اور اقبال اس گریز کا شدید دشمن:

گریز کشمکشِ زندگی سے مَردوں کی
اگر شکست نہیں ہے تو اور کیا ہے شکست؟

علامہ اقبال اسی گریز کی مذمت کرتے ہیں اور ارتقائے حیات کے لئے ذوقِ خطر کی پے در پے تلقین فرماتے ہیں جو انسان کو کارزارِ زندگی میں ایک نڈر اور بے باک مجاہد بنا دے۔ ملاحظہ کیجئے:

ز قید و صید نہنگاں حکایتے آور
مگو کہ زورقِ ما روشناسِ دریا نیست

''ہمیں مگرمچھوں کے قید و بند اور شکار کی داستانیں آ کر سنا اور یہ نہ کہہ کہ میری کشتی دریا کے طوفان سے شناسا ہی نہیں''۔

محروم رہا دولتِ دریا سے وہ غواص
کرتا نہیں جو صحبتِ ساحل سے کنارا

خطر پسند طبیعت کو سازگار نہیں
وہ گلستاں کہ جہاں گھات میں نہ ہو صیاد!

ترا بحر پُرسکوں ہے! یہ سکوں ہے یا فسوں ہے؟
نہ نہنگ ہے نہ طوفاں نہ خرابیٔ کنارہ!

مجھے سزا کے لئے بھی نہیں قبول وہ آگ
کہ جس کا شعلہ نہ ہو تند و سرکش و بے باک!

تن آسانی اور عافیت پسندی افراد اور اقوام میں مرگ آور جمود پیدا کرتے ہیں۔ اس کا اگر کوئی تریاق ہے تو وہ صرف خطرات ہیں! خطرات انسان کے خوابیدہ روحانی اور جسمانی ممکنات (potentialities) کو بیدار کرتے ہیں۔ وہ قوت و توانائی اور عزم و استقلال فراہم کر کے انسان کو تسخیر و عمل پر آمادہ کرتے ہیں۔ طبع انسانی کو ایک کھیتی تصور کیجئے تو خطرات بارانِ رحمت بن کر اسے سیراب کرتے ہیں اور اس کے باطنی خزائن کو لا باہر نکالتے ہیں۔ جس طرح حنا پتھر پر پس کر رنگ لاتی ہے اور سونا کٹھالی میں پگھل کر ہی زرِ خالص بنتا ہے اس طرح فطرتِ انسانی بھی خطرات ہی سے روشن و توانا ہوتی ہے۔

پاتے نہیں راہ تو چڑھ جاتے ہیں نالے
رکتی ہے مری طبع تو ہوتی ہے رواں اور!

اہلِ بینش کو ہے طوفانِ حوادث مکتب
لطمۂ موج کم از سیلیٔ استاد نہیں!

ملاحظہ کیجئے! روح وقلب کو گرما دینے والے علامہ اقبال کے چند مزید اشعار:

جستجو را محکم از تدبیر کن انفس و آفاق را تسخیر کن!

''اپنی جستجو کو تدبیر سے مضبوط وتوانا کر اور نہ صرف اپنے نفس کو بلکہ دنیا کو بھی مسخر کر۔''

از بلا ترسی؟ حدیث مصطفیٰؐ است ''مرد را روزِ بلا روزِ صفا است''

''تو مصائب سے ڈرتا ہے؟ حدیثِ رسولؐ کہتی ہے کہ مرد کے لئے مصائب کا دن تزکیہ باطن کا دن ہے۔''

چہ خوش زد تُرک ملّاحے سرودے
رُخِ اُو احمرے ، چشمش کبودے
بدریا گر گرہ افتد بہ کارم
بجز طوفاں نمی خواہم کشودے!

''ایک ترک ملاح نے کیا ہی خوشگوار نغمہ بپا کیا۔ اس کا رخسار سرخ تھا اور آنکھیں نیلی۔ اگر دریا میں میرے کام کے اندر کوئی گرہ پڑ جائے تو میں اسے طوفان کے علاوہ اور کسی شے سے نہ کھولوں گا۔''

گر بخود محکم شوی سیلِ بلا انگیز چیست
مثل گوہر در دِل دریا نشستن می تواں

''اگر تو خود مضبوط ہو جائے تو بلاخیز طوفان کی کیا حقیقت ہے۔ موتی کی طرح دریا کے دل میں بھی تو بیٹھا جا سکتا ہے''۔

ہم مسائل کی دلدل میں پھنستے چلے آ رہے ہیں۔ بظاہر اس سے نکلنے کا کوئی راستہ نظر نہیں آ رہا۔ اس کا حل فقط یہی ہے کہ ہم سچی توبہ کریں۔ ''اگر خواہی حیات اندر خطر زی!'' کا نعرۂ مستانہ لگا کر علامہ اقبال کے فلسفہ خطر کی برہنہ تلوار سے ہر مایوسی، بددلی اور جمود کو توڑ کر رکھ دیں!

دِل مردہ دل نہیں ہے اسے زندہ کر دوبارہ
کہ یہی ہے اُمتوں کے مرضِ کہن کا چارہ!

☆ ☆ ☆

شرابِ کہن پھر پلا ساقیا (۴)

تحریر: حامد سجاد طاہر

(آخری قسط)

پس چہ باید کرد؟

ان حالات میں جو سوال سب سے زیادہ اہمیت کا حامل قرار پاتا ہے وہ یہ ہے کہ اب کیا کرنا چاہئے؟ تنقید کرنا بلاشک وشبہ دنیا کا آسان ترین کام ہے لیکن کسی مسئلے کا حل پیش کرنا مشکل اور فی الواقع اس حل پر عمل پیرا ہونا سب سے زیادہ مشکل کام ہے۔ بہرحال اسلام کی بنیاد ایمان پر ہے اور ضرورت اس امر کی ہے کہ تجدید ایمان کی ایک عمومی دعوت برپا کی جائے' تاکہ ایمان قال سے بڑھ کر حال بن جائے۔ نماز صرف اٹھک بیٹھک کا نام نہ رہے بلکہ اس کا امام اس ہستی کا شوق بن جائے جس نے اسے اپنی یاد کے لئے پڑھنے کا حکم دیا ہے' دلوں پر لامحبوب اِلاّ اللہ ثبت ہو جائے' دماغ پر لا مقصود اِلاّ اللہ چھا جائے اور اعمال سے لا مطلوب اِلاّ اللہ کی صدا بلند ہونے لگے۔ زندگیوں کا مقصد رضائے الٰہی اور نجاتِ اُخروی کے سوا کچھ نہ رہے۔ تو جہات کا مرکز پھر سے خدا' روح اور آخرت بن جائیں اور ایک ایک قول اور ایک ایک فعل اس بات کی ضمانت دے کہ:

﴿اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ (الانعام:۱۶۳)

''بے شک میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا اللہ کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا پالنہار ہے''۔

گویا ؎ مری زندگی کا مقصد حصولِ رضائے ربی
میں اسی لئے مسلماں میں اسی لئے نمازی!

لیکن یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ ایمان آئے گا کہاں سے؟ ایک حدیث مبارکہ کے مطابق رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ''دلوں کو بھی زنگ لگ جایا کرتا ہے''۔

پوچھا گیا: ''اے اللہ کے رسولؐ! اس زنگ کو دُور کرنے کا طریقہ کیا ہے؟'' فرمایا: ''موت کا کثرت سے ذکر اور قرآن کی تلاوت''۔ واقعہ یہ ہے کہ ہمارا المیہ ہی یہی ہے کہ ہمارے دل زنگ آلود ہو چکے ہیں اور ہماری آنکھیں نہیں بلکہ یہ دل ہیں جو اندھے ہو چکے ہیں۔ لہٰذا یہ ضروری ہے کہ تجدید ایمان کے لئے جو تحریک چلائی جائے اس کا مرکز و محور قرآن ہو۔ اور پھر یہ بھی لازمی ہے کہ یہ تحریک اور یہ دعوت محض جذبات ہی کو اپیل نہ کرتی ہو بلکہ عقل و خرد بھی اس کا موضوع بنیں۔ یعنی وہ محض عوامی ضروریات ہی پوری نہ کرتی ہو بلکہ اعلیٰ علمی سطح پر بھی کارآمد ہو۔ اور اس کے لئے سب سے زیادہ اور پہلے جس طبقے کو خطاب کیا جائے وہ وہی طبقہ ہو جسے حکمران یا دانشور یا elite طبقہ کہتے ہیں' کیونکہ انبیاء کرام علیہم السلام نے سب سے پہلے جس طبقے کو مخاطب کیا وہ بالعموم وہاں کا سیاسی یا مذہبی اقتدار کا حامل ہوتا تھا۔ لہٰذا ہم دیکھتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے بھی سب سے زیادہ عوام کے ساتھ ساتھ سرداروں کو دعوت دینے کا اہتمام کیا۔ بلکہ ایک موقع پر تو یہ معاملہ کچھ افراط و تفریط کا ہو گیا تو اللہ نے تنبیہ کے لئے سورۂ عبس کی آیات بھی نازل فرمائیں۔ اور پھر یہ دعوت عربی مبین میں تھی جسے تمام طبقات سمجھنے کی اہلیت رکھتے تھے اور مزید یہ کہ یہ شاعری اور خطابت دونوں کے محاسن لئے ہوئے تھی' کیونکہ اس وقت یہی طریقہ رائج تھا۔ ہر تقریر چونکا دینے والی اور ہر تحریر شاعری ہی کی صورت میں ہوتی تھی۔ چنانچہ اس دعوتِ قرآنی نے صرف عوام کو ہی نہیں بلکہ خواص کو بھی ہلا کے رکھ دیا۔ اگرچہ خواص کے طبقے میں سے بہت کم نے اس دعوت پر عملاً لبیک کہا لیکن جتنے بھی آئے سب اس دعوت کو پھیلانے میں اصل معاون ثابت ہوئے۔ (حضور اکرم ﷺ نے بھی فرمایا تھا: تم میں سے اسلام میں بہترین وہ ہیں جو تم میں سے جاہلیت میں بہترین تھے) یہی وجہ ہے کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے قبولِ اسلام کے موقع پر جو نعرۂ تکبیر فاران کی پہاڑیوں کو لرزا گیا تھا وہ بلال حبشی رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے پر نہیں گونجا تھا' حالانکہ زہد اور تقویٰ کے اعتبار سے یہی بلالؓ تھے جنہیں عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنے دورِ خلافت میں بھی سیدنا (ہمارے سردار) کہہ کر پکارتے تھے۔ حضرت خالدؓ بن ولید کے

حلقہ بگوشِ اسلام ہونے پر حضور اکرم ﷺ نے فرمایا تھا کہ مکّے نے اپنے جگر نکال کر ہماری طرف پھینک دیئے ہیں۔ مزید برآں اگر ہم بنظر غائر دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ تقریباً سارے عوام شعوری یا لاشعوری طور پر اس دانشور طبقے کی تقلید میں مصروف ہیں اور پھر یہ طبقہ خود بلا استثناء مغرب کا مرید ہے۔ لہٰذا عوام تک اس دعوت کو پہنچانے کا حق ادا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اس طبقۂ دانشوراں کا طلسم توڑا جائے اور خود اس طبقے تک دعوت کے ابلاغ کے لئے لازم ہے کہ مغربی افکار اور نظریات کا غلط ہونا ثابت کیا جائے تاکہ وہ مرعوبیت جو عرصۂ دراز سے ہم پر سایہ فگن ہے' ختم ہو اور ہم میں حق کو پہچاننے کی صلاحیت پیدا ہو جو خود ہماری فطرت کی آواز ہے' بشرطیکہ ہماری فطرت مسخ نہ ہوئی ہو' تاکہ اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کی راہ ہموار ہو سکے۔ اور ع

گر یہ نہیں تو بابا پھر سب کہانیاں ہیں!

اور اس سب عمل کے لئے ضروری ہے کہ ایک ایسی تحریک اٹھے جو تجدید ایمان کی دعوت بذریعہ قرآن دے اور ایک ایسے ادارے کا قیام عمل میں آئے کہ جو قرآن حکیم کی دعوت و اشاعت کا کام کرے' تاکہ عوام کے اذہان اس طرف مبذول ہوں' اور اس نشر و اشاعت کے لئے تمام ممکنہ وسائل کو خواہ وہ کرنٹ میڈیا ہو یا پرنٹ میڈیا' استعمال میں لائے اور اس کے ذریعے لوگوں کے اندر اس کی عظمت کا نقش بٹھائے اور ان کے اندر عمل کا داعیہ بیدار کرے۔ پھر دراصل یہ ان ہی میں سے ایسے نوجوان ابھریں گے جو نشاۃِ ثانیہ کا کام کرنے کے لئے آمادہ ہوں گے۔ یہ ایسے افراد ہوں گے جو اس کام کے لئے اپنی زندگیاں کھپا دینے کے لئے آمادہ ہوں گے' جنہیں اپنے کیریئرز کا لالچ راہِ حق سے نہ ہٹا سکے اور جو مال و دولت دنیا کو ٹھکرا کر قرآن مجید پڑھنے اور پڑھانے کے لئے ہی اپنے آپ کو وقف کر دیں اور پھر انہی کی تعلیم و تربیت اس ادارے کا اصل کام ہوگا۔ یہاں ان افراد کو پورا قرآن شاہ ولی اللہ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق پہلے صرف ترجمہ کے ساتھ اور پھر بعد میں کسی تفسیر کے ساتھ پڑھایا جائے گا۔ عربی زبان کی تحصیل کرائی جائے گی اور وہ بھی اعلیٰ معیار کے مطابق۔ احادیث نبویہ

فقہ اور اصولِ فقہ کی بھی کم از کم بنیادی تعلیم دی جائے گی اور پھر فلسفہ، حکمت اور منطق کی تعلیم دی جائے گی۔ مزید برآں طبیعیات اور عمرانیات کے مبادی سے بھی آگاہی دی جائے گی۔ یوں یہ افراد جن کے لئے ''سکوں ناآشنا'' رہنا ''سامانِ ہستی'' بن جائے وہ ''خرد کی گتھیاں'' سلجھا کر ''صاحب جنوں'' بنیں اور ''شریک زمرۂ لایحزنون'' ہونے کے لئے اسلاف کے نفس دروں ''عطا ہونے'' کی دعا مانگیں، جن کے ''دیدۂ تر'' کی نمناکیاں اور دل کی پوشیدہ ''بے تابیاں'' ان کے ''نالہ نیم شب کا نیاز'' اور ''لطف وانجم کا گداز'' بن جائیں۔ قرآن کی صدا ان کو اپنے دل سے اٹھتی معلوم ہو۔ ان کے خواب قرآن سے رنگین ہو جائیں، ان کے راستے اس کے نور سے منور ہو جائیں۔ انہیں اسی کے اندر آفاق وانفس کے تمام سوالات کا جواب مل جائے اور معرفتِ حق سے ان کے قلب تاباں ہو جائیں اور وہ نفس مطمئنہ کی عملی تفسیر بن جائیں، تو درحقیقت یہی وہ شعوری ایمان ہے جو صرف اور صرف قرآن سے ہی حاصل ہوگا۔

وہ جنس نہیں ایمان جسے لے آئیں دکانِ فلسفہ سے
ڈھونڈے سے ملے گی عاقل کو یہ قرآں کے سیپاروں میں!

اور پھر یہی ہوں گے جو شمشیر قرآنی سے جدید فلاسفہ کے لئے ایک نئی ''تہافت'' اور جدید منطقیوں کے لئے ایک نئی ''ردّ'' تحریر کریں گے اور مادّہ پرستی کے اس سیلاب کا رُخ پھیر سکیں گے جو گزشتہ کئی صدیوں سے اُمت مسلمہ کو بہائے لے جا رہا ہے، اور پھر انہیں صرف ''شاخ تراشی'' کا کام ہی نہیں کرنا ہوگا بلکہ ''روش روش'' کی ''شراب کہن'' سے سقائی کر کے ایمان کے نئے پھول بھی کھلانے ہوں گے اور ایک جدید علم کلام کی بنیاد بھی رکھنی ہوگی تاکہ سائنس کے میدانوں میں جو پیش رفت ہوئی ہے اسے اسلام کے نظامِ عقائد میں صحیح جگہ پر فٹ کیا جا سکے۔ مزید برآں عمرانیات کو بھی قرآن و حدیث کے اصولوں کے مطابق پھر سے مدوّن کرنا ہوگا۔ اور یوں وہ خواب تعبیر کا روپ دھار سکے گا جسے اقبال نے تقریباً ایک صدی پیشتر دیکھا تھا۔

زمانہ آیا ہے بے حجابی کا عام دیدارِ یار ہو گا
سکوت تھا پردہ دار جس کا وہ راز اب آشکار ہو گا
کل جو آوارۂ جنوں تھے وہ بستیوں میں پھر آبسیں گے
برہنہ پائی وہی رہے گی مگر نیا خارزار ہو گا
سنا دیا گوشِ منتظر کو حجاز کی خامشی نے آخر
جو عہد صحرائیوں سے باندھا گیا تھا پھر استوار ہو گا
نکل کے صحرا سے جس نے روما کی سلطنت کو الٹ دیا تھا
سنا ہے یہ قدسیوں سے میں نے وہ شیر پھر ہوشیار ہو گا
دیارِ مغرب کے رہنے والو! خدا کی بستی دکاں نہیں ہے
کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو وہ اب زرِ کم عیار ہو گا
تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہو گا
سفینۂ برگِ گل بنا لے گا قافلہ مورِ ناتواں کا
ہزار موجوں کی ہو کشاکش مگر یہ دریا سے پار ہو گا!

☆

اب اس کام کے لئے صرف یہ افراد ہی کفایت نہیں کریں گے بلکہ کئی مختلف طرح کے افراد مطلوب ہوں گے:

۱) ایک تو یہی افراد جو اعلیٰ علمی سطح پر فکری رہنمائی کا سامان فراہم کریں گے۔

۲) وہ افراد جو قرآن و حدیث کی اعلیٰ تعلیم حاصل کریں گے' جو عوامی درسِ قرآن و حدیث کے ذریعے عوام میں قرآن کی عظمت کا نقش بٹھائیں گے اور پھر اوپر والے افراد کی تربیت کا کام بھی انہی کو کرنا ہو گا (قرآن و حدیث کا علم دینا ہو گا)۔

۳) وہ افراد جو دیگر مختلف علوم مثلاً کمپیوٹر سائنس' الیکٹرانکس وغیرہ کے ماہر ہوں گے' انہیں اس ساری قرآنی دعوت کی نشر و اشاعت کا کام کرنا ہو گا۔

۴) عام افراد کو بھی سرمائے کے ساتھ ساتھ اقامت دین کے کام میں تن من کھپانا پڑے گا۔

اب یہاں بات مدارج و مراتب کی نہیں ہے' کیونکہ ﴿وَمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ﴾ اور آخرت میں مدارج و مراتب کا تعین ایمان' اخلاص اور اس کے ساتھ اس بات سے ہوگا کہ جو کام بھی کیا اس میں ان کی کتنی ڈیوشن (devotion) تھی۔

جب یہ چاروں قسم کے افراد مہیا ہو جائیں تو انہیں ایک امیر کے ہاتھ پر بیعت کر کے ایک نظم کے تحت متحد ہونا ہوگا اور یوں منہج انقلابِ نبویؐ کے مطابق جدوجہد کر کے ''شہادت علی الناس'' اور ''اقامت دین'' کا فریضہ سرانجام دینا ہوگا۔ پھر اگر اس میں کامیاب ہو جائیں تو فبہا المحبوب اور اگر دُنیوی طور پر کامیاب نہ بھی ہوں تو آخرت میں تو ان کا اجر اللہ کے پاس محفوظ ہوگا۔ وَذٰلِکَ الْفَوْزُ الْکَبِیْرُ' وَذٰلِکَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ۔

فرہنگ اصطلاحات

میں نے ممکنہ حد تک کوشش کی ہے کہ آسان سے آسان زبان استعمال کروں تاہم پھر بھی ناگزیر طور پر چند ایسی اصطلاحات کا سہارا لینا پڑ گیا ہے جو کہ شاید بعض قارئین کو ثقیل محسوس ہوں' لہٰذا ان کی مختصر تشریح درج ذیل ہے۔

وعیدیہ و مرجئہ

یہ دو متضاد گروہ تھے جو قرونِ اولیٰ میں ابھرے۔ مرجئہ کے نزدیک ایمان بنیادی طور پر اللہ اور رسولؐ پر اعتقاد رکھنے کا نام ہے' اعمال ایمان کا جزو نہیں ہوتے اور گناہِ کبیرہ کے ارتکاب سے بھی کوئی مؤمن کافر نہیں ہو جاتا۔ دوسری انتہا پر وعیدیہ تھے۔ ان کا یہ خیال تھا کہ ایمان کا تعلق محض اقرار باللسان سے ہی نہیں ہے بلکہ تصدیق بالقلب اور اعمالِ حسنہ سے بھی ہے۔ گناہ کبیرہ کا مرتکب اس لائق نہیں کہ اسے مؤمن کہا جائے' شریعت کی رو سے وہ کافر ہے اور ضرور جہنم کے عذاب میں مبتلا ہو کر رہے گا' خوارج بھی اسی کے قائل تھے۔

جبریہ اور قدریہ

یہ دو بھی قرونِ اولیٰ ہی کی پیداوار تھے۔ جبریہ کے نزدیک کائنات کی باقی تمام اشیاء کی طرح انسان بھی تقدیرِ الٰہی کا پابند ہے۔ اسے نہ تو فکر پر کوئی اختیار ہے نہ عمل پر کوئی قدرت ہے' جو ہوتا ہے اللہ کی مرضی سے ہوتا ہے۔ اس کے برعکس قدریہ کا یہ کہنا تھا کہ انسان اپنے اعمال کا خود ذمہ دار ہے' کیونکہ اسے متبادل راستوں میں سے کوئی ایک راستہ منتخب کرنے کا موقع میسر آتا ہے۔

عقل و نقل

نقل سے مراد وہ تمام علوم ہیں جن کی صحت پر شبہ نہ کیا جا سکے' مثلاً قرآن و حدیث۔ بحث ہو تو صرف اس بات پر کہ کیا یہ بات واقعتاً اسی ذات سے منسوب ہے جس کا حوالہ دیا جا رہا ہے۔ مزید برآں انہی دو ذرائع سے پھوٹنے والے بعض علوم مثلاً تفسیر' فقہ' کلام وغیرہ کو بھی بعض اوقات نقل کہہ دیا جاتا ہے۔ دوسری طرف عقل سے مراد وہ تمام علوم یا ذرائع علوم ہیں جن کے غلط اور صحیح ہونے پر بحث ہو سکے اور وہ کسی بالاتر ہستی یا اس کے نمائندے سے نہیں بلکہ کسی عام انسان سے منسوب ہوں۔ سائنس' فلسفہ' منطق وغیرہ سب اسی کے ذیل میں آتے ہیں۔

محکمات و متشابہات

قرآن میں خود اس کے مطابق دو قسم کی آیات ہیں: محکمات اور متشابہات۔ محکمات سے مراد وہ آیات ہیں جو واضح ہیں' جبکہ متشابہات وہ ہیں جو واضح نہ ہوں اور ان میں اشتباہ یا شک کا پہلو موجود ہو۔

منابع و مآخذ

اس مضمون کے لکھنے میں درج ذیل کتب سے مدد لی گئی ہے۔ بلکہ دراصل یہ اوّل الذکر کتاب پر ہی مبنی ہے۔

۱) اسلام کی نشاۃِ ثانیہ: کرنے کا اصل کام.....از ڈاکٹر اسرار احمد
۲) دعوتِ رجوع اِلی القرآن کا منظر و پس منظر.....از ڈاکٹر اسرار احمد
۳) سابقہ اور موجودہ مسلمان اُمتوں کا ماضی' حال اور مستقبل.....از ڈاکٹر اسرار احمد
۴) کلیاتِ اقبال.....از علامہ محمد اقبال' ناشر اقبال اکادمی
۵) مقالاتِ اقبال' مرتب سید عبدالواحد معینی
۶) خطباتِ اقبال نئے تناظر میں.....از محمد سہیل عمر
۷) مقالاتِ اصلاحی (حصہ اول) از مولانا امین احسن اصلاحی
۸) دعوتِ دین اور اس کا طریق کار.....از مولانا امین احسن اصلاحی
۹) علم التعلیم حصہ دوم (برائے طلبہ انٹر)
۱۰) مسلم فلسفہ.....از ڈاکٹر عبدالخالق و پروفیسر یوسف شیدائی
۱۱) فلسفے کی ماہیت.....از ڈاکٹر نعیم احمد
۱۲) فلسفے کے بنیادی مسائل.....از قاضی قیصر الاسلام

علاوہ ازیں پروفیسر ڈاکٹر بختیار حسین صدیقی صاحب کے ایک مضمون شائع شدہ ہفت روزہ ''ندا'' ۱۸ تا ۲۴ اپریل ۱۹۹۰ء جو کہ ''اسلام کی نشاۃ ثانیہ: کرنے کا اصل کام'' ہی کے بعض پہلوؤں کی توضیح و تشریح پر مشتمل ہے' سے بھی مدد لی گئی ہے۔ اور پھر جناب انجینئر محمد علی صاحب کے کورس کے دوران دیئے گئے نوٹس اور لیکچرز بھی میرے لئے مشعلِ راہ ثابت ہوئے۔

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لئے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات و احادیث درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

امام اسمٰعیل بن عُلیّہؒ

(۱۱۰ھ ــــ ۱۹۳ھ)

عبدالرشید عراقی

تبع تابعین میں امام اسمٰعیل بن عُلیّہ بڑے جلیل القدر امامِ حدیث ثابت ہوئے ہیں۔ان کو ہر فن پر عبور حاصل تھا' لیکن علم حدیث میں خصوصی کمال اور امتیازی مہارت رکھتے تھے۔علمائے اسلام نے علم حدیث میں ان کے تبحر علمی کا اعتراف کیا ہے اور ان کی عدالت وثقاہت اور حفظ وضبط پر تمام علمائے اسلام کا اتفاق ہے۔امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ:

''بصرہ میں اتقان وتثبت ابنِ عُلیّہ پر ختم ہے''۔(۱)

امام ابوداؤد الطیالسی کا قول حافظ ابنِ حجر نے اپنی کتاب تہذیب التہذیب میں نقل کیا ہے کہ:

''کوئی شخص ایسا نہیں ہے جس نے خطا نہ کی ہو' البتہ ابنِ عُلیّہ اور بشر بن مفضل اس کلیہ سے مستثنیٰ ہیں''۔(۲)

امام علی بن المدینی کا یہ قول بھی حافظ ابنِ حجر نے نقل کیا ہے کہ:

''چار محدثین کے علاوہ باقی سب محدثین سے تضعیف ہوئی ہے اور وہ چار محدثین یہ ہیں: یزید بن زریع' اسمٰعیل بن عُلیّہ' بشر بن مفضل' عبدالوارث بن سعید''۔(۳)

خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ بغداد میں امام ہیثم بن خالد کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ

''ایک مرتبہ بصرہ کے چند حفاظ حدیث جمع ہوئے تو ان سے کوفہ کے محدثین نے کہا کہ تم اسمٰعیل بن عُلیّہ کے علاوہ جس کو چاہو سامنے لاؤ' ہم کو ان سے علم وفضل

میں کم نہ پاؤ گے' مگر ابنِ عُلیّہ کے علم وفضل کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا''۔ (۴)

امام اسمٰعیل بن عُلیّہ ۱۱۰ھ میں بصرہ میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام ابراہیم تھا' جو غلام تھے' اور کپڑے کی تجارت کرتے تھے۔ ان کی شادی علیّہ بنت حسان سے ہوئی۔ عُلیّہ بنت حسان بڑی نیک خاتون تھیں اور اس کے ساتھ بڑی عاقلہ اور سمجھدار تھیں۔ امام نووی لکھتے ہیں:

امرأة نبيلة عاقلة (۴) (وہ بڑی سمجھدار اور عقل مند خاتون تھیں)۔

خطیب بغدادی لکھتے ہیں:

''وہ بڑی شریف اور عقل مند خاتون تھیں۔ ان کا مکان عوفہ میں تھا جو ان کے نام سے مشہور تھا۔ وہاں صالح مری اور بصرہ کے دوسرے ممتاز لوگ اور فقہاء ان کے پاس استفادہ کے لئے آتے تھے۔ وہ برآمد ہو کر ان سے بات چیت کرتی تھیں''۔ (۶)

ابن عُلیّہ نے ابتدائی تعلیم اپنی والدہ ماجدہ سے حاصل کی۔ اس کے بعد جب کچھ شعور پیدا ہوا تو ان کی والدہ نے ان کو بصرہ کے مشہور محدث عبدالوارث التیمی کی شاگردی میں دے دیا۔

اساتذہ

امام ابنِ عُلیّہ نے جن نامور محدثین سے اکتسابِ فیض کیا ان میں بعض مشہور اساتذہ یہ ہیں:

''امام ایوب السختیانی' محمد بن منکدر' عطاء بن سائب' حمید الطویل' عبدالعزیز بن صہیب' سلیمان التیمی' یزید بن حمید' عاصم الاحول اور معمر بن یونس''۔ (۷)

تلامذہ

امام ابنِ عُلیّہ کے ممتاز تلامذہ یہ ہیں:

''امام احمد بن حنبل' عبدالرحمٰن بن مہدی' یحییٰ بن معین' علی بن المدینی' بندار بن بشار' اسحاق بن راہویہ اور ابنِ ابی شیبہ''۔ (۸)

تبحر علمی

حدیث اور فقہ پر ان کو عبور کامل تھا اور ان علوم میں ان کے جامع الکمالات ہونے کا علماء اسلام نے اعتراف کیا ہے۔

امام شعبہ انہیں ''ریحانة الفقهاء'' کہا کرتے تھے۔ (۹)

اور حافظ ذہبی نے ''احد الاعلام'' لکھا ہے۔ (۱۰)

حضرت امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں:

''امام مالک بن اَنس کی وفات ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے میرے لئے ان کا قائم مقام حضرت سفیان کو بنا دیا۔ پھر امام حماد بن زید کا انتقال ہوا تو اللہ تعالیٰ نے ان کا قائم مقام میرے لئے ابنِ عُلیّہ کو بنا دیا''۔ (۱۱)

عہدۂ قضاء

امام ابنِ عُلیّہ کے علم وفضل کی شہرت صرف عوام تک محدود نہ تھی بلکہ اعیانِ حکومت بھی ان کے علم وفضل اور تبحر علمی سے پورے طرح باخبر تھے۔ چنانچہ حکومت نے ان کو سب سے پہلے بصرہ میں صدقات کے انتظامات کا نگران مقرر کیا۔ اس کے بعد ان کا تبادلہ بغداد کر دیا گیا اور بغداد میں محکمہ فوجداری کا ذمہ دار افسر مقرر کیا گیا اور کچھ عرصہ بغداد میں ان کو جج مقرر کر دیا گیا۔ امام ابنِ عُلیّہ جس عہدہ پر بھی سرفراز رہے بڑی ایمانداری اور خوش اسلوبی سے اپنے فرائض سرانجام دیتے رہے۔

امام عبداللہ بن مبارک مشہور محدث تھے۔ ان سے ابنِ عُلیّہ کے اچھے تعلقات تھے اور دونوں ایک دوسرے کے علم وفضل کے معترف تھے۔ جب امام ابنِ عُلیّہ جج بنائے گئے اور امام عبداللہ بن مبارک کو اس کی اطلاع ملی تو انہوں نے اس کو اچھا نہ سمجھا اور اپنی ناخوشی کا اظہار کیا۔ جب اس کا علم امام ابنِ عُلیّہ کو ہوا تو آپ نے فوراً استعفاء دے دیا۔ اس واقعہ کی تفصیل حافظ خطیب بغدادی نے اپنی کتاب تاریخ بغداد اور حافظ ابنِ حجر نے اپنی کتاب تہذیب التہذیب میں بیان کی ہے۔

تفصیل یہ ہے کہ امام عبداللہ بن مبارک تجارت کرتے تھے اور اس میں اُن کو کافی

نفع حاصل ہوتا تھا اور امام ابنِ مبارک یہ تمام نفع علماء اور طلبہ کی خدمت اور ان کی دُنیوی ضروریات پر صرف کر دیتے تھے۔ چنانچہ امام ابنِ مبارک خود فرماتے ہیں کہ اگر سفیان بن عیینہ، سفیان ثوری، فضیل بن سماک اور ابنِ عُلیّہ نہ ہوتے تو میں تجارت نہ کرتا۔ امام ابنِ مبارک ایک دفعہ بغداد تشریف لائے تو اس وقت ابنِ عُلیّہ بغداد کے جج تھے۔ جب امام عبداللہ بن مبارک کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے ناخوشی کا اظہار کیا اور آپ جو امداد ابنِ عُلیّہ کی کرتے تھے وہ بند کر دی۔ امام ابنِ عُلیّہ کو جب ابنِ مبارک کے بغداد آنے کی اطلاع ملی تو ان کی ملاقات کے لئے تشریف لے گئے، مگر امام ابنِ مبارک نے کوئی التفات نہ کیا۔ چنانچہ امام اسمٰعیل بن عُلیّہ تھوڑی دیر بیٹھ کر واپس آ گئے اور دوسرے دن امام ابنِ مبارک کی خدمت میں ایک خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا:

''میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کے لطف و کرم کا منتظر تھا لیکن آپ نے مجھ سے کلام ہی نہیں کیا۔ جناب کو میری کون سی حرکت ایسی ناگوار ہوئی۔''

حضرت امام عبداللہ بن مبارک نے یہ خط پڑھ کر فرمایا:

''یہ شخص (ابن عُلیّہ) بال کی کھال ہی نکالنا چاہتا ہے''۔

اور پھر جواب میں یہ اشعار لکھ کر بھیج دیئے۔

''اے دین کے ذریعہ غیروں کے اموال کا شکار کرنے والا باز! تو نے دنیا اور اس کی لذتوں کو حاصل کرنے کے لئے ایک ایسا حیلہ اختیار کر لیا ہے جو دین کو تباہ کر کے رہے گا۔

پہلے تم دنیا کے مجنونوں کا علاج کرتے تھے، اب تم خود اس کے مجنون ہو گئے ہو۔ اب بادشاہوں کے دروازے سے بے پرواہ ہو کر تمہارا حدیث روایت کرنا کہاں گیا۔

اگر تم یہ کہو کہ مجھے عہدۂ قضاء کے قبول کرنے پر مجبور کیا گیا تو یہ عذر سراسر باطل ہے۔ اب تو یہ کہنا زیادہ موزوں ہے کہ حمار کیچڑ میں گر گیا۔''

امام ابنِ عُلیّہ کے پاس جب امام ابنِ مبارک کا یہ خط پہنچا تو اس کو پڑھ کر اُن پر رقت طاری ہو گئی۔ خط پڑھتے جاتے تھے اور روتے جاتے تھے۔ چنانچہ خط پڑھنے کے بعد آپ خلیفہ ہارون الرشید کے پاس تشریف لے گئے اور اپنا استعفاء پیش کرتے

ہوئے خلیفہ کی خدمت میں عرض کیا:

''خدا کے لئے میرے بڑھاپے پر رحم فرمایئے! کیونکہ میں اب خطا پر زیادہ صبر نہیں کرسکتا۔''

خلیفہ ہارون الرشید نے کہا: ''معلوم ہوتا ہے کہ اس مجنون (عبداللہ بن مبارک) نے آپ کو بہکا دیا ہے''۔ ابنِ عُلیّہ نے کہا:

''نہیں' بلکہ انہوں نے مجھے (ایک مصیبت عظمیٰ سے) نجات دلا دی ہے۔''

چنانچہ ہارون الرشید نے آپ کا استعفاء منظور کرلیا۔ جب امام ابنِ مبارک کو اس کی اطلاع ملی کہ ابنِ عُلیّہ نے منصب قضاء سے علیحدگی اختیار کر لی ہے تو بہت خوش ہوئے اور حسب سابق ایک تھیلی ابنِ عُلیّہ کو بھیج دی۔ (۱۲)

عبادت

ابن عُلیّہ بہت زیادہ عبادت گزار تھے۔ قرآنِ مجید سے بہت زیادہ شغف تھا اور اس کی کثرت سے تلاوت کرتے تھے۔ امام علی بن المدینی فرماتے ہیں:

''میں نے ایک شب ابنِ عُلیّہ کے ہاں قیام کیا تو میں نے دیکھا کہ ابنِ عُلیّہ نے اس شب میں تہائی قرآن مجید کی تلاوت کی۔'' (۱۳)

فتنہ خلق قرآن اور ابنِ عُلیّہ

بعض اربابِ سیر نے لکھا ہے کہ امام اسماعیل بن عُلیّہ خلق قرآن کے قائل تھے۔ لیکن یہ بات پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتی۔ علامہ خطیب بغدادی نے اس کی تردید کی ہے اور عبدالصمد یزید مردویہ کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے ابنِ عُلیّہ سے خود سنا ہے کہ ''**القرآن کلام اللّٰہ غیر مخلوق**۔'' (۱۴)

حافظ شمس الدین ذہبی نے بھی لکھا ہے کہ:

''ابنِ عُلیّہ خلق قرآن کے سلسلہ میں علمائے سلف کے مسلک پر تھے اور قرآن مجید کے اللہ کا کلام ہونے پر ایمان رکھتے تھے۔'' (۱۵)

وفات

امام ابن عُلیّہ نے جمعرات کے دن ۲۴ یا ۲۵ ذی قعدہ ۱۹۳ھ میں ۸۳ سال کی عمر میں بغداد میں انتقال کیا اور بغداد کے مشہور قبرستان ابن مالک میں دفن ہوئے۔ (۱۶)

حواشی

۱) شذرات الذہب: ابن عماد حنبلی' ۱/۳۳۳
۲) تہذیب التہذیب: ابن حجر عسقلانی' ۱/۲۷۶
۳) تہذیب التہذیب: ابن حجر عسقلانی' ۱/۲۷۷
۴) تاریخ بغداد: خطیب بغدادی' ۶/۲۳۴
۵) تہذیب الاسماء واللغات: نووی' ۱/۱۲۰
۶) تاریخ بغداد: خطیب بغدادی' ۶/۲۳۴
۷) تہذیب الاسماء واللغات: نووی' ۱/۱۲۰
۸) تذکرۃ الحفاظ: ذہبی' ۱/۲۹۵
و تہذیب التہذیب: ابن حجر' ۱/۲۷۵
۹) تہذیب الاسماء واللغات: نووی' ۱/۱۲۰
۱۰) تذکرۃ الحفاظ: ذہبی' ۱/ص ۲۹۶
۱۱) تہذیب التہذیب: ابن حجر' ۱/۲۷۶
۱۲) تاریخ بغداد: خطیب بغدادی' ۶/۲۳۵'۲۳۶
تہذیب التہذیب: ابن حجر' ۱/۲۷۸
۱۳) تاریخ بغداد: خطیب بغدادی' ۶/۲۲۷
۱۴) تاریخ بغداد: خطیب بغدادی' ۶/۲۳۶
۱۵) تذکرۃ الحفاظ: ذہبی' ۱/۲۹۶
۱۶) شذرات الذہب: ابن عماد حنبلی' ۱/۳۳۳
و تاریخ بغداد: خطیب بغدادی' ۶/۲۳۵

صدر مؤسس مرکزی انجمن خدام القرآن **ڈاکٹر اسرار احمد**
کی ایک اہم تالیف
عہد حاضر میں اسلامی ریاست اور معیشت
کے چند بنیادی مسائل
صفحات 96 ' قیمت 40
مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن 36۔ کے' ماڈل ٹاؤن لاہور

تعارف وتبصرۂ کتب

تبصرہ نگار: پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

(۱)

نام کتاب : المباحث الاسلامیہ (سہ ماہی مجلّہ)
۱۵محرم ۱۴۲۴ھ تا ۱۴ ربیع الثانی ۱۴۲۴ھ
بانی ورئیس التحریر : مولانا سید نصیب علی شاہ الہاشمی

ضخامت: 136 صفحات' قیمت: 50 روپے' سالانہ چندہ: 200 روپے
ملنے کا پتہ: جامعۃ المرکز الاسلامی پاکستان' ڈیرہ روڈ' بنوں

یہ اپنی نوعیت کا منفرد جریدہ ہے جس کا یہ پہلا شمارہ ہے۔ اغراض ومقاصد کے اعتبار سے یہ اہم اور جدید مسائل پر مشتمل علمی تحقیق اور فکر اسلامی کا ترجمان رسالہ ہے۔ اس کی انتظامیہ بلند پایہ مذہبی سکالرز کو جدید اور اہم مسائل پر مقالات لکھنے کی دعوت دیتی ہے جس کے لئے فقہی کانفرنسیں منعقد کی جاتی ہیں جن میں ملک بھر سے کثیر تعداد میں مندوبین شرکت کرتے اور مختلف فقہی موضوعات پر گراں قدر مقالات پیش کرتے ہیں۔ اس طرح ایک بیش قیمت ذخیرہ جمع ہو جائے گا جو حال اور مستقبل کے علمائے کرام کے لئے روشنی کا مینار ثابت ہوگا۔

ہر شخص جانتا ہے کہ اس دور میں سائنسی ترقی عروج پر ہے اور ہر دم نئے نئے مسائل اور نئی نئی صورتِ حال سے سابقہ پڑتا ہے۔ اب ہر شخص میں تو اتنی استعداد نہیں کہ وہ خود قرآن و سنت کی روشنی میں جدید مسائل کا فیصلہ کر سکے' اس کے لئے تو بہر حال راسخون فی العلم افراد کی ضرورت ہے۔ اس مجلّے میں اسی ضرورت کو مدنظر رکھتے ہوئے ممتاز علمائے دین کی توجہ اس طرف دلائی گئی ہے کہ وہ جدید مسائل پر گہرے غور وفکر کے بعد عمل کی راہ متعین کریں' تاکہ عوام الناس کو راہ نمائی میسر آ سکے۔

مدیر مجلّہ کے مطابق اس رسالے کے ذریعے ملک و بیرونِ ملک اہل علم کی تحقیقات منظر عام پر آ سکیں گی جو جدید اہل تحقیق کے لئے حوصلہ افزائی کا باعث ہوں گی۔ زیر تبصرہ شمارہ دس

قابل قدر اور بصیرت افروز مقالات پر مشتمل ہے۔ یہ مقالات ملک کے نامی گرامی علمائے کرام اور مفتیانِ عظام کے تحریر کردہ ہیں' جن میں مولانا تقی عثمانی' سابق جج وفاقی شرعی عدالت' مفتی نظام الدین شامزئی' مفتی منظور احمد اور مولانا مفتی ڈاکٹر عبدالواحد شامل ہیں۔ یہ سہ ماہی مجلّہ افادیت کے اعتبار سے اس قابل ہے کہ اسے تمام مدارس اپنی لائبریری میں رکھیں اور جدید مسائل پر نامور علماء کی تحقیق سے واقف ہوں۔

رسالے کے شروع میں مقالات کی فہرست نہیں دی گئی جو ضرور ہونی چاہئے' تاکہ ایک ہی نظر میں تمام مقالات کے عنوانات اور لکھنے والوں کے ناموں سے واقفیت ہو سکے۔ اس وقیع مجلّے کے مدیر مولانا سید نصیب علی شاہ مبارک باد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے اس قدر مشکل کام کا بیڑا اٹھایا اور فقہی مسائل میں تحقیق وجستجو کی بنیاد ڈالی۔

اس سہ ماہی رسالہ میں خوبصورت ٹائٹل اور خوشنما کمپوزنگ کی وجہ سے مزید دلکشی پیدا ہوگئی ہے۔

(۲)

نام کتاب : اکابر کی شام زندگی

مرتب : مولانا عمادالدین محمود

ضخامت: 64 صفحات ' قیمت: 24 روپے

ملنے کا پتہ: مولانا سید محمد حقانی' مدرس جامعہ ابوہریرہ' خالق آباد' ضلع نوشہرہ

ہر انسان کو ایک دن اس دنیائے فانی سے کوچ کرنا ہے۔ یہ ایسی حقیقت ہے کہ اس کو نہ جھٹلایا جا سکتا ہے اور نہ ہی اس سے راہِ فرار اختیار کی جا سکتی ہے۔ از روئے الفاظ قرآنی: ﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ﴾ ''موت کا ذائقہ ہر ایک کو چکھنا ہے''۔ جس طرح قبروں کی زیارت سے اپنی موت یاد آتی ہے اسی طرح سے مرنے والوں کے آخری لمحات دیکھ کر بھی نگاہ عبرت وا ہوتی ہے۔

مصنف نے اس چھوٹی سی کتاب میں تقریباً چالیس متقی و پرہیزگار لوگوں کے آخری لمحاتِ زندگی کی کیفیت نقل کی ہے۔ ان اتقیاء وصلحاء میں بڑے بڑے علماء کرام اور مفتیانِ عظام شامل ہیں۔ کتاب پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ خاص طور پر جب پڑھنے والا اکابر کی دنیا

سے رخصت ہونے کی کیفیت پڑھتا ہے تو اس پر اسی طرح رقت طاری ہو جاتی ہے جس طرح جنازے کے ساتھ چلنے والے افراد گہرے تاثر میں ڈوبے ہوئے ہوتے ہیں۔ اس کتاب میں اکثر بزرگوں کے بارے میں لکھا ہے کہ مرتے وقت انہوں نے اللہ کا نام لیا یا کلمۂ طیبہ پڑھا۔ ظاہر ہے کہ یہ ان کے خاتمہ بالخیر کی علامت ہے جس کا سبب ان کی پاکیزہ زندگی اور تقویٰ شعاری ہے۔

موت کی یاد گناہوں سے بچاتی ہے۔ چنانچہ اس کتاب کے پڑھنے سے امید کی جاتی ہے کہ گناہ کی زندگی بسر کرنے والا تائب ہو جائے اور گناہ چھوڑ دے' کیونکہ جب وہ اس جہاں سے کوچ کرنے والے کی بے بسی دیکھتا ہے تو یہ احساس اس کے دل و دماغ پر ضرور چھا جاتا ہے کہ ایک دن مجھ پر بھی یہی حالت طاری ہونا ہے' اور کیا اس منزل کے عبور کرنے کی میں نے کوئی تیاری کر رکھی ہے؟ بس یہی احساس انسان کو معصیت سے دور اور اطاعت کے قریب لے آتا ہے۔

یہ عبرت آموز کتاب مختصر بھی ہے اور کم قیمت بھی۔ یوں ہر کہ و مہ اس کو خرید سکتا ہے۔ کمپوزنگ کی چند ایک اغلاط ہیں جو اگلے ایڈیشن میں درست کرنا ضروری ہیں۔

(۳)

نام رسالہ : ماہنامہ الشریعہ (شمارہ مئی' جون ۲۰۰۳ء)
رئیس التحریر : ابو عمار زاہد الراشدی

سالانہ زر تعاون: 120 روپے ' قیمت: 12 روپے
ملنے کا پتہ: مدیر ماہنامہ الشریعہ' پوسٹ بکس نمبر 331 ' گوجرانوالہ

الشریعہ ایک اعلیٰ پائے کا معیاری ماہنامہ ہے۔ یہ روایتی قسم کے مذہبی جرائد سے یکسر مختلف ہے۔ اس میں بلند پایہ علمی اور دینی موضوعات پر مضامین شائع ہوتے ہیں۔ اس میں خود ستائی کا پہلو ہرگز نہیں ہے' بلکہ اعلیٰ ترین علمی سطح پر اظہارِ خیال ہوتا ہے۔ اس کی ایک انفرادی خوبی یہ ہے کہ اس میں تنقیدی مضامین میں تنقید کا حق ادا کیا جاتا ہے۔ اپنے موافق کی تعریف اور مخالف کی مذمت تو سبھی کرتے ہیں مگر الشریعہ کی تنقید اس انداز سے خالی ہے۔ یہاں اپنوں پر بھی تنقید کی جاتی ہے جو واقعی اصلاحِ احوال میں مدد و معاون اور راہنما ثابت ہو سکتی ہے۔ اس جریدہ کے سرپرست شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز صفدر اور شیخ التفسیر مولانا

صوفی عبدالحمید سواتی ہیں۔ یہ دونوں حضرات علم وعرفان' تقویٰ وتدین میں بہت اونچا مقام رکھتے ہیں۔

رسالے کی لکھائی چھپائی دلکش' معیاری اور شایانِ شان ہے۔ اس کے تحقیقی مقالات واقعی پڑھنے کے قابل ہیں۔ دینی مدارس کے جرائد اس کے اسلوب وانداز سے استفادہ کر سکتے اور راہنمائی لے سکتے ہیں۔

(۴)

نام کتاب : کڑوا شہد

مصنف : عنایت اللہ طور

ضخامت: 80 صفحات ' قیمت: 25 روپے

ملنے کا پتہ: جہان اعلیٰ پبلی کیشنز' بالمقابل منصورہ' ملتان روڈ' لاہور

کڑوا شہد اصلاحِ معاشرہ کے ضمن میں کی جانے والی کوششوں میں سے ایک کوشش ہے۔ اندازِ تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ ماحول کے اندر پائی جانے والی اخلاقی اور مذہبی بے راہ روی نے مصنف کے حساس دل پر گہرا اثر کیا ہے۔ ان کی خواہش ہے کہ ہمارے معاشرے سے منکرات کا خاتمہ ہو جائے' لوگ توحید پر کاربند ہو جائیں' فرقہ پرستی ختم ہو جائے' علمائے کرام اتحادِ اُمت کی فکر کریں' سود اور اس قسم کی دیگر برائیوں کا قلع قمع ہو جائے۔ اسی ضمن میں وہ مختلف اہم عنوانات کے تحت اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہیں۔

کتاب میں جابجا قرآنی آیات کا ترجمہ درج ہے' مگر ترجمے میں احتیاط کا پہلو ملحوظ نہیں رکھا گیا' مثلاً صفحہ ۱۰ پر سورۃ الروم کی آیت ۳۲ کا ترجمہ محلِ نظر ہے۔ اسی طرح صفحہ ۱۱ پر سورۃ الانعام کی آیت ۶۵ کو ۱۵۵ لکھا ہے۔ سود کی مذمت کرتے ہوئے صفحہ ۵۲ کے وسط میں انتہائی مبالغہ سے کام لیا گیا ہے۔

صفحہ ۱۲ پر ایک مشہور شعر درج ہے جس کے الفاظ صحیح نہیں۔ کمپوزنگ کی غلطیاں جابجا ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ صاحب کتاب نے اس کی اشاعت کے مراحل جلدی میں طے کئے ہیں۔

☆ ☆ ☆

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے زیر اہتمام قرآن اکیڈمی کے

ایک سالہ رجوع الی القرآن کورس

میں داخلے کے لئے طالبانِ قرآن سے درخواستیں مطلوب ہیں:

☆ واضح رہے کہ یہ کورس بنیادی طور پر گریجوایٹس اور پوسٹ گریجوایٹس کے لئے ترتیب دیا گیا ہے۔ پیش نظر یہ ہے کہ وہ حضرات جو کم از کم گریجوایشن کی سطح تک اپنی دنیاوی تعلیم مکمل کر چکے ہوں اور اب بنیادی دینی تعلیم بالخصوص عربی زبان سیکھ کر فہم قرآن کے حصول کے خواہش مند ہوں' انہیں اس کورس کے ذریعے ایک ٹھوس بنیاد فراہم کر دی جائے —— تاہم بعض استثنائی صورتوں میں ایف اے کی بنیاد پر بھی اس کورس میں داخلہ لیا جا سکتا ہے۔

نصاب

۱) عربی گرامر ۲) عربی ریڈر
۳) مطالعہ قرآن حکیم کا منتخب نصاب ۴) تذکیر بالقرآن (دورۂ ترجمۂ قرآن)
۵) تجوید و حفظ ۶) ترکیب قرآن مع عربی گرامر
۷) علومِ حدیث اور مطالعۂ حدیث ۸) اضافی محاضرات

☆ کورس کا آغاز ان شاء اللہ یکم ستمبر سے ہوگا اور کورس کا دورانیہ نو ماہ ہوگا۔

کورس کا تفصیلی پراسپکٹس

جس میں داخلے سے متعلق ضروری معلومات کے علاوہ کورس میں شامل مضامین کی تفصیل' طریق تدریس اور نظام الاوقات کی وضاحت بھی شامل ہے' درج ذیل پتے سے حاصل کریں:

ناظم برائے ایک سالہ رجوع الی القرآن کورس
36۔ کے' ماڈل ٹاؤن لاہور (فون: 03-5869501)